جنوری۔فروری ۲۰۱۴ء
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
جلد نمبر:۲۹ شمارہ۔۱،۲

مذہب اہل سنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان

ماہنامہ حجۃ الاسلام بنام سُنّی آواز ناگپور

چیف ایڈیٹر

مولانا سید محمد حسینی

اشرفی، مصباحی

ایڈیٹر: : مولانا سید اشرف رضا حسینی اشرفی
سجادہ نشین آستانۂ عالیہ شمسیہ، رائچور

معاون ایڈیٹر: : مولانا سید صفی حسینی اشرفی
برادر، سجادہ نشین آستانۂ عالیہ شمسیہ، رائچور

مینیجر: : سید محمد عزیز اللہ حسینی طاہر اشرفی

مجلس:

مولانا ادریس رضا خاں صاحب، حشمتی پیلی بھیت شریف۔ مفتی ناظر اشرف صاحب، ناگپور۔ مولانا سید قمر علی قادری، ناگپور۔ مولانا سید ہاشمی میاں صاحب، پھول گلی ممبئی۔ مولانا سنابل رضا خاں صاحب حشمتی، پیلی بھیت شریف۔ مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب ممبئی۔ مولانا انیس عالم سیوانی صاحب لکھنؤ۔ مفتی بشیر صاحب حشمتی ممبئی۔ مولانا فخر الدین احمد قادری، مصباحی، ناگپور۔ مفتی محبوب رضا نوری بدر القادری صاحب بھنڈارہ۔ سید محمد فیض اللہ حسینی (ایم، اے، بی ایڈ) ناگپور۔ مولانا سید ابدال حسینی، کرنول، فاضل یمن۔ مولانا سرفراز احمد برکاتی، مولانا مجتبیٰ شریف، ناگپور۔ مولانا سید محی الدین قادری، ساؤتھ افریقہ۔ جناب محمد اقبال صاحب (فروٹ مرچنٹ) ناگپور۔

مسلک اعلیٰ حضرت اکابرین اہلسنت کی نظر میں

• ۔میرا مسلک شریعت و طریقت میں وہی ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

(سید شاہ علی حسین اشرفی میاں)

• ۔دین اسلام و مذہب اسلام کا سچا خلاصہ مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔(شیر بیشۂ اہلسنت مولانا مفتی حشمت علی خان)

• ۔میں مسلک اہلسنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

(مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم میرٹھی)

• ۔اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا مسلک بالکل حق ہے، اور جو انکے طریقے پر ہے وہی ٹھیک ہے۔

(ملک العلماء مفتی ظفر الدین بہاری)

• ۔ فقیر کا اور فقیر کے آباؤ اجداد کا وہی مسلک ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے۔

(البرکات مولانا مفتی سید احمد قادری)

• ۔اعلیٰ حضرت کے مسلک و تحقیقات میں کس کا زہرہ ہے جو جرأت لب کشائی کر سکے۔

(مفتی اعظم دہلی مفتی مولانا مظہر اللہ نقشبندی)

• ۔وہ میرا مرید نہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ہے۔

(مولانا مفتی احمد سعید کاظمی)

• ۔میرا جو مرید مسلک اعلیٰ حضرت سے ذرا بھی ہٹ جائے، تو میں اس کی بیعت سے بیزار ہوں۔

(احسن العلماء مولانا مفتی سید شاہ مصطفےٰ حیدر حسن)

• ۔ سارے فرقہائے باطل کے مقابلہ میں اپنی دینی و جماعتی شناخت کے لئے ہمارے پاس بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔

(رئیس القلم مولانا ارشد القادری)

(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائیٹر، مولانا سید محمد حسینی اشرفی، مصباحی، نے شمسیہ پرنٹنگ پریس، گانجہ کھیت ناگپور سے چھپوا کر دفتر ’ماہنامہ ’’سنی آواز‘‘ محلہ گانجہ کھیت سے شائع کیا۔
Contact No. 09422146796. e_mail : mail@sunniawaz.com

نوٹ: قانونی چارہ جوئی کی صورت میں صرف ناگپور کورٹ کو ہی حق حاصل ہوگا۔ اہل قلم کے بعض مضامین سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا فِیْ
عِلْمِ اللّٰہِ صَلٰوۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ مُلْکِ اللّٰہِ۔

مشمولات

شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	(اداریہ) صلح کل کا فتنہ مٹا تاج والے	مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی	۳
۲	جدید ذرائع ابلاغ سے رویت ہلال کا	تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری	۱۰
۳	ماہر در سیاست اعلیٰ حضرت	حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی نوری، گنج	۳۳
۴	نوری مقالد رآمر ھلال	حضرت علامہ مفتی محمد کوثر حسن صاحب	۴۵
۵	ٹیلیفون اور موبائیل کی وباتو عام ہے ہی	حضرت علامہ مفتی فضل احمد مصباحی،	۵۳
۶	ابراق بریلی فی رد فتنۂ دہلی	حضرت علامہ مولانا شرف الدین رضوی،	۵۷
۷	الکشف التام فی اوھام النظام	حضرت علامہ مفتی محبوب رضا، صاحب	۶۴

-: Our Official Web Portal :-

www.sunniawaz.com

e-mail :- mail@sunniawaz.com

Monthly Sunni Awaz Ganjakhet Old Bhandara Road, Nagpur-440

گوہربار

اداریہ

صلح کل کا فتنہ مٹا تا ج والے (صلی اللہ علیہ وسلم)

از:۔ سید محمد حسینی اشرفی، مصباحی، چیف ایڈیٹر ماہنامہ، سنی آواز، ناگپور

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے انتقال پر ملال کے بعد بر صغیر کے سنی مسلمانوں پر سخت آزمائش آن پڑی ہے۔ وافتراق وانتشار، خود غرضی، عدول و خروج کا دور دورا ہے۔ سب سے پہلے کچھوچھہ مقدسہ سے بنام سیادت اعلیٰ حضرت کے تحقیقی مسائل پر ناروا حملے اور غیر سادات ائمہ و علماء کی تحقیر و تذلیل کا طویل سلسلہ چل پڑا اسکے خلاف ''ماہنامہ سنی آواز'' ناگپور نے تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ اسلامیانِ ہندو پاک پر یہ حالات اظہر مِنَ الشمس ہیں تفصیل کی حاجت نہیں، پھر ممبئ کے ۱۹۹۲ء۱۹۹۳ء کے خوں ریز فسادات کے بعد وہابیانِ ممبئ کی سازش سے بد عقیدہ علماء کے ساتھ علماء اہلسنت کی شرکت اور ''علماء کونسل'' ممبئ کا قیام۔ اسکے خلاف ہندوستان کے معروف علماء اہلسنت کی جدو جہد خاص طور پر ''ماہنامہ سنی آواز، ناگپور'' نے اس کے خلاف تاریخی کردار ادا کیا، آخر کار یہ تحریک ممبئ سے آگے نہ بڑھ سکی، ممبئ میں یہ تحریک محدود ہو کر رہ گئی۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے مسلک پر ہونے کا دعویٰ کریں اور صلح کلیت اختیار کریں یہ مداہنت ہے۔ اسلام وسنیت مٹانے کے لئے انگریز کے دور کے بعد موجودہ غیر مسلموں نے نیچریوں کے حربے یعنی صلح کلی الحاد کو حکومتہً اختیار کیا ہے۔ وہ اس حربے سے پرائیوٹ اور حکومتی دونوں مقاموں سے اسلام مٹانے میں مشغول ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہابیوں اور صلح کلیوں اور نیچری اپنی صلح کلی الحاد پر زندیق ہیں اور اس زندیقت کے باوجود نفاقاً اپنے آپ کو سنی کہتے ہیں۔ ان کی اس سنیت پر حضرت مولٰینا سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔۔۔

''ایں سنیت نشد زنبیل عیاراں شد''

صلح کلیت اُمُّ الضَّلالَت ہے۔ ایک طرف کھلا ہوا کفر ارتداد ہے۔ اسکے مقابل خالص اسلام وسنیت ہے۔ صلح کلی دونوں کے درمیان ہے صلح کلی پہلے خالص اسلام وسنیت کے حامل دین دار ومتصلب سنی صحیح العقیدہ مسلمان کو اسکے استقامت 'عَلیَ الدِین' کو کمزور کرنے اور تمام ادیان باطلہ کے ماننے والوں کو اور ارتداد پر عمل پیرا تمام کفار و مرتدین کو راضی رکھنے انھیں برا نہ کہنے کی پالیسی پر عمل کرتا ہے۔ اور خالص صحیح العقیدہ سنی مسلمان کے تصلب اور استقامت 'عَلیَ الدِین' کو کمزور کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ تَصَلُّب کو تَشَدُّد کا نام دیتا ہے، سب سے دوستی ووِداد محبت رکھتا ہے، کھلے کفار کے ساتھ مراسم کفر ادا کرنے کا بھی مرتکب ہوتا ہے، خدا اور رسول جلّ جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا پر اپنے نفس وہوٰی کی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے، کفار و مرتدین کے کفری عقائد کے رد وابطال کرنے والے ہی کو برا کہتا ہے، جھگڑا و فساد کرنے والا بتاتا ہے، ہزاروں ایسے لوگ اس بلا میں گرفتار ہیں، کوئی اور ہو تو ہو لیکن چند سال سے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور کے بعض اہل نفس وہوٰی بھی گرفتار ہیں۔ اگر مبارکپور و دہلی و بدایوں والوں کا مکمل رد وابطال دیکھنا ہو تو مجاہد اہلسنت مولانا انیس عالم سیوانی کی ''معرکۃ الآرا تصنف'' آئینۂ صلح کلیت کا مطالعہ کریں۔

اب اشرفیہ مبارکپور والوں کے بعض حضرات کے صلح کلیت کی طرف بڑھتے ہوئے قدم بلکہ ان کو صلح کلیت کے دلدل

میں پھنسا ہوا دیکھئے ،ابھی اسی سال بنگلور کے احاطۂ شیعہ قبرستان میں ایک اجلاس بعنوان ''امام حسین باہمی اتفاق کا سرچشمہ'' کے نام سے منعقد ہوا جس میں جگت گرو شنکر آچاریہ ادھوکش جانند مہاراج رکن اسمبلی جناب آر،روشن بیگ صاحب نے بھی شرکت کی،اور مرکزی وزیر، مسٹر اجیت سنگھ اور مسٹر دگ وجے سنگھ اور رکن اسمبلی سابق ریاستی وزیر مسٹر نصیر احمد صاحب اور گرودوارہ بنگلور کے پروفیسر بھاٹیہ سنگھ ،شیعہ فرقے کے معروف عالم اور امام جامع شاہی مسجد لکھنؤ کے جناب سید کلب جوّاد نقوی نے صدارت کی ،اور جناب سلطان آغا صاحب اور جواہر لال یونیورسٹی دہلی کے پروفیسر سید عین الحسن شمسی ،منظر بھوپالی ،ممتاز عالم رضوی اور گلشن خطائی ،سید ضمیر پاشا، جے شفیع اللہ صاحب الحاج انور شریف وغیرہ شریک تھے۔

تمام مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ شیعہ سنی اختلاف ختم ہونا چاہیے اور اسی قسم کے صلح کلیانہ بیانات ہوئے۔(اس کی پوری رپورٹ ''راشٹریہ سہارا'' میں چھپ چکی ہے)

ہمیں اعتراض خاص طور پر جناب مولوی ادریس بستوی صاحب کی شرکت پر ہے۔ہم نہایت جرأت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اب دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خطوط پر کام کرنا چھوڑ دیا ہے ،کھلے بندوں صلح کلیانہ روش پر چلنے لگا ہے۔اب اشرفیہ مبارکپور مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان نہیں مسلک صلح کلیت کا ترجمان ہو چکا ہے۔اس ادارے کی صلح کلی پالیسی دیکھنا ہو تو دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کی تائید وحمایت میں شائع کردہ کتاب ''عرفان مسلک و مذہب'' کے دیکھنے کے بعد اسکی صلح کلیت اب ڈھکی چھپی نہیں رہی۔دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور ،دہلی وبدایوں حد تو یہ ہے کہ مارہرہ مقدسہ کے سادات کرام وغیرہ یہی چاہتے ہیں کہ اس قسم کے جلسوں اور پروگراموں میں ہم شریک ہوں اور ایسے لوگ یعنی گمراہ وبددین مشرک ومرتد سب ہمارے پروگراموں میں شریک ہوں۔مسلک اعلیٰ حضرت کی قید کو توڑ کر ملی جلی سرکار چلانے پر اتارو بن چلے ہیں۔

صلح کلی مزاج رکھنے والے لوگ یہ کہتے تھکتے نہیں کہ ۱۹۷۱ء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے منعقد کانفرنس میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور برہان ملت علیہ الرحمہ کی حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی اجازت سے شرکت ہمارے لئے دلیل ہے۔ اسی طرح اسکے بعد اسی بورڈ کی جانب سے منعقد اجلاس عام میں رئیس التحریر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی شرکت ہمارے لئے دوسری دلیل ہے۔

صلح کلی مزاج رکھنے والے لوگ اسکو غور سے دیکھیں، یقیناً یہ دونوں حضرات جماعت اہلسنت کے عظیم علماء، حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ضرور شریک ہوئے۔ ان حضرات کا شرکت کرنا ہی مسلک اعلیٰ حضرت کی لاج اور صلح کلیت کا خاتمہ تھا۔ان دونوں حضرات نے اپنے نام کے اعلان کے وقت ہی لاؤڈا سپیکر کے سامنے تشریف لائے۔ پہلے بددین وبد عقیدہ علماء کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا۔جب لاؤڈا سپیکر پر تشریف لائے ،دونوں حضرات نے بددین وبدعقیدہ علماء کے عقائد باطلہ کی تردید کی اور بتایا کہ یہ اختلاف کل بھی تھا، آج بھی ہے،اور کل ان کے توبہ کرنے تک رہیگا۔ خاص طور سے وہابیہ کے عقائد باطلہ کی تردید کی پھر حکومت وقت کی طرف سے شریعت کے خلاف مداخلت پر خوب زوردار طریقہ سے مذامت کی۔ اپنا بیان مکمل ہونے کے بعد دونوں اسٹیج پر بیٹھے نہیں بلکہ فوراً وہاں سے نکل گئے۔ پھر زندگی بھر ان سے نہ ملاقات کی اور نہ ان سے راہ ورسم رکھا۔

کیا یہ صلح کلی مولوی بھی اسی طرح بصد مجبوری شرکت کرکے عمر بھر ان سے علیحدہ رہے ایسا ہرگز دیکھا نہیں گیا۔ کہاں ان دونوں حضرات کا مسلک اعلیٰ حضرت کے تشخص کو قائم رکھ کر علی الاعلان عقائد باطلہ کی تردید کرنا اور پھر ان سے علیحدہ ہو جانا یہ ان حضرات کا اعلیٰ کردار ہے۔

ان کے برعکس مولوی ادریس بستوی اور ملک کے ایک اعلیٰ ایوان کا سابق ممبر اور صاحب کتاب عرفان اور مسلک ومذہب اسی قسم کے اشرفیہ مبارکپور سے متعلق دوسرے افراد کی طرح غیر مسلموں اور بدعقیدہ مولویوں سے اپنی رضا ور غبت کے ساتھ شریک ہونا یہ عین صلح کلیت ہے۔

منکران ضروریات دین کے شرعی ردوابطال کو جھگڑا فساد بتانا کفر ہے۔ انگریز سے زیادہ موجودہ غیر مسلموں کے دشمن اسلام ہونے کا ایک عملی ثبوت یہ ہے کہ انگریز نے اپنے دور حکومت میں کفر وارتداد اور خود نام نہاد عیسائیت کے ردوابطال پر امتناع عائد نہیں کیا تھا اور صلح کلی الحاد کے شائع کرنے کا اعلان کرکے اس کے رد کرنے کو ممنوع قرار نہیں دیا تھا مگر موجودہ بنام جمہوری حکومت صلح کلیت کو قانوناً نہیں بلکہ اپنے بیانات سے اسے جرم قرار دیتی ہے۔

مرتدین منافقین رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری اور دیگر مرتدین سے داد واتحاد اور اخوت قائم کرنے اور ان کے کفریات کو نظر انداز کرنے کا الحاد سب سے پہلے محمد علی جوہر نے ندوہ کی شکل میں ۱۳۱۲ھ میں شائع کیا۔ ندوہ کے اس الحاد کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے: ع

ندوہ را رفض ونیچر ونجدیت
خواہر انند غیریت زائل

ندوہ کے اس الحاد کے خلاف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد فرما کر اسلام وسنیت اور اہلسنت کی حفاظت فرمائی اور اپنے فتوے سے ندویوں کے الحاد کو ثابت کرکے ان کے ملحد ہونے کا اعلان فرمایا۔ اسے اس فتویٰ پر حضرات علماء حرمین شریفین کی تصدیقات سے فتاویٰ الحرمین برجف **ندوۃ المین** کے نام سے شائع کیا۔

ندوہ کے فتنے کے بعد نیچریوں نے موجودہ غیر مسلموں کیساتھ موالات ومحبت اور رواداری قائم کرنے کا الحادی دروازہ نام نہاد مسلم لیگ کے ذریعہ سے کھولا پھر اس کے بعد شوکت علی آنجہانی نے ۱۳۳۷ھ میں ہندو مسلم اتحاد واخوت کیساتھ مسلمانوں کو ہنود کے شرکیات کو اپناتے ہوئے متحدہ قومیت بنا دینے کا الحادی دروازہ کھولا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے اس جہاد پر حافظ انعام اللہ بریلوی فرماتے ہیں۔

بود دراں وقت یک	ذات رضا دروطن
نعرۂ صد الحذر	زداز اواندر وطن
پردۂ شاں چاک کرد	بر ہمہ اہل سنن
آنچہ زحق بود گفت	باہمہ اہل سنن
آفریں بر تو رضا	نائب شاہ زمن
برتو ز صد سلام	نائب شاہ زمن
یاد چہ خوش آمدی	اے زہے ایں یاد من

حافظ انعام اللہ صاحب آگے فرماتے ہیں۔

چوں او (ندوہ) بہ پیری رسید	آں ہمہ گرگ کہن
متحدہ قومیت	خواست از مادر وطن
آنچہ بہ احیاء دیں	کردی تو اندر وطن
آفریں بر تو رضا	نائب شاہ زمن

انہوں نے خلافت کمیٹی کے ذریعہ سے ایک اور دروازہ کھولا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مسلموں سے موالات اور مسلمانوں کو غیر مسلموں میں ضم کرکے اسلام کے مٹانے کے اس الحادی فتنے کے خلاف جہاد فرما کر اسلام وسنیت کی حفاظت فرمائی۔

اس لحاد وزندقہ سے اسلام وسنیت کو بچانے اور ملحد نہ بن جانے کے سلسلہ میں گیارہویں صدی کے مجدد حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) اغیار کی صحبت سے دور رہنا اصل ہے جو شخص ایمان وعقل کا ادنی مرتبہ

رکھتا ہے اس ترک (عدم موالات واخوت از مشرکین ومرتدین) کی خوبی ظاہر ہے یہ بات دلنشیں ہوجائے بلکہ یقین کے درجے پر پہنچ جائے وَلَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ (سورۂ حجرات رکوع ۲) ''اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان کہاں داخل ہوا'' اسی جانب اشارہ ہے۔ اگر پوری دنیا اس کے خلاف کہے (یعنی کافروں مشرکوں مرتدوں سے موالات واخوت اور محبت کو اسلامی فریضہ قرار دے تو) اس اسلامی حقیقت اجتناب کے یقین میں فتور نہ آئے نصیحت اسی کو مفید ہے جو اس ترک پر عامل ہے (ترک الاختلاط والمجانبة من صحبة الاختلاط) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات کے دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ میں فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) ایمان ان تمام دینی باتوں کو دل سے سچا ماننے کا نام ہے جو ضرورت اور تواتر کیساتھ ہم تک پہنچی ہیں اور زبان سے ان کی سچائی کے اقرار کو علماء نے ایمان کا رکن بتایا ہے ۔اِس تصدیق کی علامت یہ ہے کہ کفر وکفار سے اور کفری باتوں سے تبری وبیزاری کرے اور جو کچھ کافروں کے دین ومذہب کی چیزیں ہیں ان سب سے بیزار ہو جیسے زنار باندھنا اور اس کے سوا اور شعائر کفر غیر مسلم ہندوں کی طرح گیرواں لباس پہننا پنڈتوں کی طرح اپنے آپ کو پُتر جگت گروجی مہاراج کہلوانا جیسے مولوی غازی ہاشمی کچھوچھوی وغیرہ کرتے ہیں (قشقہ لگوانا وغیرہ) غیر مسلم لیڈروں اور ان کے پیشواں سے ادب واحترام کے ساتھ ملنا اپنی غیرت ایمانی کو ان کے سامنے ملحوظ نہ رکھنا اور اگر معاذ اللہ اس تصدیق کے دعوے کیساتھ کوئی شخص کفر کی باتوں سے تبری نہ کرے تو اس بات کا کھلا ہوا ثبوت دے رہا ہے کہ وہ ارتداد کے داغوں سے داغدار ہے اور درحقیقت اس کا حکم منافق کا حکم ہے کہ نہ مسلمانوں میں داخل نہ کھلے طور پر کافروں میں شامل ہے۔

ایمان حاصل کرنے اور مسلمان ہونے کیلئے کفر کی باتوں سے تبری وبیزاری لازم ہے۔ کفری باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ یہی امام ربانی قدس سرہٗ اسی دفتر کے مکتوب ۲۱۷ میں فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) سارے مواعظ کا خلاصہ اور تمام نصائح کا عطر یہی ہے کہ دیندار پابند شریعت لوگوں سے میل جول محبت رکھی جائے دینداری اور پابندئ شریعت تو اہلسنت وجماعت کے طریقۂ حقہ پر چلنے ہی کے ساتھ وابستہ ہے کہ مسلمان کہلانے والے تمام فرقوں میں نجات پانے والا یہی فرقہ ہے بغیر ان بزرگواروں کی اتباع کے نجات محال ہے اور بغیر ان کے عقائد کی پیروی کے فلاح ناممکن ہے عقلی ونقلی وکشفی ایسی دلیلیں اس معنی پر شاہد ہیں جنکے غلط ہونے کا احتمال نہیں ہے اور اگر معلوم ہوجائے کہ کوئی شخص رائی برابر ان بزرگواروں کے سیدھے راستے سے الگ پڑ گیا ہے تو اسکی صحبت کو سم قاتل سمجھنا چاہیے اور اس کے پاس بیٹھنے اٹھنے کو سانپ کا زہر جاننا چاہیے ان کی صحبت سے پرہیز رکھنا ضروریات دین سے ہے۔ اسی دفتر کے مکتوب ۲۶۶ میں فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) رحمٰن جل جلالہٗ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ یہ بزرگی پائی اور شجرۂ انبیاء ہوگئے یہ سب اسیواسطے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے بری وبیزار تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بیشک تمہارے لئے اچھی پیروی تھی ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بیشک ہم بیزار ہیں تم سے اور اس کے ساتھ اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم تمہارے منکر ہوئے اور ہم میں اور تم میں دشمنی وعداوت ظاہر ہوگئی ہمیشہ کے لئے جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ اس فقیر (یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے خدا اور سول جل جلالہٗ ﷺ کے دشمنوں سے نفرت اور بیزاری وعداوت ودشمنی رکھنے کے برابر کوئی کام نہیں ہے۔ **(انوار شمسی دررد مباحی)**

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ الطاری الداری **لھفوات عبد الباری** میں فرماتے ہیں کہ مشرکین سے اتحاد جس طرح ہو رہا ہے حرام قطعی کبیرہ شدیدہ ہے اور اسے روا جاننا کفر (مسلم لیگ کی رزین بخیہ دری ص ۲۰) اسی سے وہابیوں نیچریوں کا ملحد وزندیق

ہوناثابت ہے۔

اس اسلام و سنیت کی حفاظت میں اسلامی عقیدے کے خلاف لیگیہ جناحیہ اور کانگریسیہ گاندھویہ ملحدین کے پاس کافروں مشرکوں مرتدوں سے محبت و اخوت اور ان سے موالات و رواداری اور کفری وارتدادی عقائد سے عدم بیزاری ان کا نام نہاد اسلام ظاہر ہے۔ع

زمانے میں جب تک زمانہ ہے باقی
رہے نام احمد رضا تاج والے
ترے دشمنوں کے کلیجوں میں دل میں
لگایا ہے تیر رسا تاج والے
رہیں دور کفار سے اپنے سنی
صلح کل کا فتنہ مٹا تاج والے

انگریز کی حکومت قائم ہونے پر ارتداد کا دروازہ کھلا اور روافض تقیہ سے نکل گئے اب اسلام کے نام سے روافض، آغاخانی خوجے، رافضی بوہرے، مہدوی، بابی، بہائی، قادیانی، مدارات اور مداہنت سے اسلام و سنیت پر ثابت قدم نہ رہنے (یعنی مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے قائم نہ رہنے) کی وجہ سے مدارات اور مداہنت میں فرق نہیں کیا جاتا ہے۔ (نور شمسی در رد مباحی)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ ص ۱۷-۳۱۸ میں فرماتے ہیں کہ: اکثر مردم را درمیان مدارات و حسن خُلق و درمیان مداہنت فرق واضح نشدہ مدارات و حسن خلق باہر مسلمان و کافر در شرع محمود ست و مداہنت و خوشامد معیوب و مردود یکے را از دیگرے امتیاز نمی کنند و در مقام حُسن خلق ارتکاب مداہنت مینمایند و تنقیح فرق درمیان ایں ہر دو آنست کہ مدارات و حسن خلق عبارت از مسامحت در حق خود است و نفسانیت کار نکردن و خود را واجب التعظیم ندیدن واز تقصیرے کردحق خود درود در گزشتن و مداہنت عبارت از مسامحت در امر دین است و باوجود دیدن و شنیدن امور نامشروعہ و اقوال نامرضیہ تعصب نہ کردن دین خود را سبک داشتن واز حق واجب شرع و دین در گزشتن۔ مثلاً اگر شخصے ایں کس را سخت گفت یا ترک تعظیم نمود در غضب نیامدن و باوے در پے انتقام نشدن بلکہ سلوک نیک کردن از قبیل حسن خلق و مدارات ست اگر شخصے حرکتے مخالف شرع کرد یا ترک تعظیم نمود باوے موافقت نمودن و اظہار نہ خوشی نکردن و سخن او را رد نکردن از باب مداہنت و خوشامد ست۔

بہت سے لوگوں کو حسن خُلق و مدارات اور مُداہنت کے درمیان فرق واضح نہیں ہوا ہے مدارات اور حُسن خُلق تو ہر مسلمان اور کافر کے ساتھ شریعت مطہرہ میں پسندیدہ ہے اور مداہنت و چاپلوسی عیب اور مردود ہے لوگ ایک کا دوسرے سے امتیاز نہیں کرتے ہیں اور حسن خلق کے ضمن میں مداہنت کر گزرتے ہیں اور دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ مدارات حسن خلق کے معنی تو یہ ہیں کہ اپنے حق میں سہل انگاری برتیں اور نفسانیت کی بنا پر کام نہ کریں اور اپنی تعظیم کو ضروری نہ سمجھیں اور اپنے حق میں کسی سے جو قصور ہو جائے اسے معاف کر دیں اور مداہنت کے معنی یہ ہیں کہ دینی معاملے میں چشم پوشی کریں اور جو باتیں شرعاً ناجائز و ناپسندیدہ ہیں ان کو دیکھتے سنتے ہوئے بھی تعصب (بمعنی نفرت) نہ کریں اور اپنی دین کو ہلکا ٹھہرائیں اور دین و شریعت کا جو حق واجب ہے اس سے درگذر کریں۔ مثلاً اگر کوئی شخص خود اسکو سخت وسست کہے یا اسکی تعظیم نہ کرے تو غصے میں نہ آنا اور اس سے انتقام لینے کے پیچھے نہ پڑنا بلکہ اچھا سلوک کرنا یہ تو حسن خلق و مدارات کی اقسام سے ہے اور اگر کوئی شخص شریعت کے خلاف کوئی حرکت کرے یا دین کی بے تعظیمی کرے تو اس کے ساتھ موافقت کرنا اور ناراضی ظاہر نہ کرنا اور اسکی بات کا رد نہ کرنا یہ مداہنت کے اقسام سے ہے (یہی صلح کلیت ہے) مداہنت کو اردو زبان میں رواداری کہتے اور رواداری حرام اور دین فروشی کا ذریعہ ہے حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ

(ترجمہ) تو اے سنی اس رواداری سے ایمان کے دائرے سے خارج ہو کر کفر کے دائرے میں داخل ہو جائے گا. (آداب المریدین) مدارات اور مداہنت میں یہ فرق ہے کہ مدارات یہ کہ اپنی جائز حقوق اور دین کی حفاظت کیلئے دنیا کو قربان کر دینا اور مداہنت یہ کہ دین کو دنیا کیلئے قربان کرنا اگر کوئی شخص کسی کے حق میں ظلم و فتنہ کرے تو حلم اختیار کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو اس سے کینہ نہ رکھے اگر یہ نہ ہو سکے تو اس مقام میں نہ جائے۔ ذمائم میں سے ایک ذمیمہ مداہنت بھی ہے اور وہ ہمت کی سستی اور کار دین میں زبوں حالی ہے۔ مثلاً معاصی و مناہی کے مشاہدہ پر حق شریعت سے باز آنا ہے۔ نفسانی ذمائم سے مدارات پر قیام اور مداہنت سے بیزاری نہیں ہوتی اس پر ظلم یہ کہ وہابیوں اور نیچریوں نے مداہنت کو دینی فرض ٹھہرا کر مشرکوں اور مرتدوں میں اسلام کو خوار کیا اہلسنت کو گمراہ کر کے ملحد بنانے میں مشغول ہیں اسی کا نام صلح کلیت ہے۔ مدارات کے ہونے سے آپس میں حق تلفیاں و نفسانی فسق و فجور عام ہو گیا ہے اور مداہنت کے حلال ٹھہرانے سے کفر و ارتداد کی نفرت دلوں سے نکل گئی اور کافروں مرتدوں سے محبت و دوستی اور اخوت عام ہو گئی اور کافروں مرتدوں کے ضروریات دین اور عقائد اہلسنت پر حملوں کو گوارا کیا جانے لگا۔ اس طرح الحاد عام ہو گیا ہے۔

دینی تصلب یعنی دینی پختگی کے مداہنت کے خاتمہ ہونے اور نفسانی پختگی یعنی باطل تعصب کے عام ہو جانے سے فرقہ مباحیہ کے مشائخ سید زادگان ہندوؤں کو مرید بنا کر ان کے معبود ان باطل کی تصدیق اور شرکی شعائر کا ارتکاب کر کے ان سے دنیا کماتے ہیں۔ جیسا کہ سبع سنابل میں آیا کہ ”سنی متعصب باشد کہ رسول اللہ ﷺ از جملہ ہفتاد و دو گروہ یک گروہ رستگار فرمودہ اند واز ہفتاد و دو گرہ احتراز و اجتناب نمودہ آں یک گروہ قومے باشند کہ بر کتاب و سنت و اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیروی دارند“۔ یعنی تعصب کرنے والا سنی ہو (یعنی مداہن نہ ہو) کہ رسول اللہ ﷺ نے بہتر ۷۲ گروہ میں سے ایک گروہ کو نجات پانے والا فرمایا ہے اور بہتر ۷۲ گروہ سے احتراز و اجتناب کرے وہ ایک گروہ وہ قوم ہے جو کتاب و سنت اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ فرماتا ہے: لَایَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (سورۂ حشر رکوع ۳) دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔ (ترجمۂ رضویہ)

وہابیوں اور نیچریوں کے صلح کلی الحاد کا رد ہے اور یہ مباحیہ کے ساتھ الحاد پھیلانے کے سلسلے میں صوفیہ کرام کے پاس ہندو مسلم اصطلاح نہیں تھی کی الحادی بکواس کا رد ہے اور یہ مباحیہ کے ہنود کو مرید بنانے کا رد ہے جو ہنود کو مرید بنا کر اپنی نفسانیت سے مسلم مرید کی صف میں ہنود کو کھڑا کرتے ہیں اور پیری مریدی میں اسلام کی شرط کے منکر ہیں حالانکہ عبادات یعنی نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، قربانی و فطرہ اور نکاح و پیری مریدی کے لئے اسلام شرط ہے۔ مریدی میں مباحیہ نے اسلام کی شرط کو اڑا دیا اور نیچریوں نے نکاح میں اسلام کی شرط کو اڑا دیا۔

شریعت کی پابندی ہی سے مسلمان کفر سے بچتا ہے یعنی کافروں مرتدوں کے احکام پر معتقد اور ان پہ عامل ہوتا۔ وہابی و نیچری کفار و مرتدین اور بدمذہبوں کے احکام شرعیہ کا انکار کرنے ہی سے الحادی کفر میں پھنس گئے ہیں۔

شریعت ایمان لانے کے بعد لازم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ (سورۂ رعد رکوع ۳) وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو خوشی ہے اور اچھا انجام۔ (ترجمۂ رضویہ)

بدمذہب کی تعریف: ۔ جو شخص عقائد مسلمۂ اجماعیہ اہل سنت و جماعت میں سے کسی امر کا منکر ہو گا یا ان اہل منکر کو داخل اہل سنت جانے گا اور حکم بدعتی ہونے کا نہ مانے گا وہ سنی نہ ہو گا اہل

بدعت میں شمار ہوگا اگرچہ باقی عقائد کا معتقد ہو۔لطائف اشرفیہ لطیفۂ بست وپنجم میں ہے۔"عقیدۂ اہلسنت وجماعت پر یقین رکھنا اور اس کو اپنا نصب العین بنانا شریعت کی پہلی بنیاد ہے اگر ان میں سے ایک عقیدے کا منکر ہوا تو سب عبادت برباد ہو جائے گی" ۔اس کے ردوطردوبغض کا حکم اس کے پیچھے عدم جواز نماز کا حکم اس سے احتراز کا حکم وغیرہ احکام اہل بدعت سب عائد ہوں گے (احتراز الابرار عن شرور الاشرار ص ۳)

صلح کلیت اور نیچریت کی ایک نشانی:۔فرقۂ نیچریہ اور صلح کلیہ کا یہ اعتقاد ہے کہ کوئی شخص جسنے کلمہ پڑھا کافر نہیں ہو سکتا اگرچہ کسی امر ضروریٔ دینی کا انکار کرے بلکہ کل ضروریات دین کا منکر ہو وہ مسلمان ہی رہے گا در حقیقت ضروریات دین جو کہ اجزائے حقیقۂ مومن بہ ہیں اس کے نزدیک امر فضول و بیکار و از قبیل زوائد غیر لازمہ ہیں (ایضاً ص ۳)

صلح کلیت اور نیچریت کی دوسری نشانی:۔نیچریہ کا الحادی عقیدہ ہے کہ کلمہ گویوں میں جتنے فرقے ہیں خواہ وہ کچھ ہی عقیدے رکھتے ہوں سب حق پر ہیں ان کا اختلاف فرعی اختلاف ہے۔ان میں سے کسی عقیدے کی وجہ سے کافر نہیں کہیں گے۔وہ تمام فرقے کچھ بھی عقیدے رکھیں اللہ تعالیٰ تعالیٰ سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔سب فرقے اپنی عقائد پر قائم رہ کر آپس میں محبت رکھیں۔(احتراز الابرار ص ۴)(ڈاکٹر طاہر منہاجی اپنے خلافِ اہلسنت عقائد کی وجہ سے اہلسنت وجماعت سے خارج ہو چکا ہے۔ اسی میں اس کا رد ہے)۔

صلح کلیت اور نیچریت کی تیسری نشانی:۔کھلے کافروں اور مشرکین فرقوں کو اہل حق اور صراط مستقیم پر گامزن قرار دینا اور ان سے اتحاد و محبت اور رواداری کو لازم قرار دینا۔(اس معنی میں بھی طاہر منہاجی شامل ہے)۔

صلح کلیت اور نیچریت کی چوتھی نشانی:۔اس نیچری و صلح کلی الحاد کے سوا اہلسنت وجماعت کے ان عقائد کو جو رسول اللہ ﷺ اور اولیا اور اموات اہلسنت سے متعلق ہیں وہابیت سے شرک و بد مذہبی کے عقائد قرار دینا اور اہلسنت کو مشرک و اہل بدعت اور درگاہوں کو بت کدے ٹھہرانا۔(اس میں نجدی، وہابی، دیوبندی، مودودی شامل ہیں)۔

صلح کلیت اور نیچریت کی پانچویں نشانی:۔مباحیوں کی ساختہ ولایت کے اقرار کیساتھ ان کی مریدی کو عام کرنا اور صلح کلی الحاد کو تصوف قرار دینا۔

صلح کلیت اور نیچریت کی چھٹویں نشانی:۔مذہبی جلسوں میں ہنود مرتدین منافقین کو بلانا اور ان سے تقاریر کروانا اور انھیں صدر جلسہ بنانا اور دین میں ان کی رضاجوئی میں مداہنت کرنا۔جیسا کہ اہلسنت وجماعت کے نام پر بعض آستانوں اور اعراس میں غیر مسلموں کو بلوانا اور ان کی تعظیم کرنا اور گمراہ اور بدمذہبوں کو بلوا کر ان کی عزت افزائی کرنا اور ان سے الحادی تقاریر کروانا اس کا رد کرنے والوں کو بری نظر سے دیکھنا اور انہیں فتنہ و فساد برپا کرنے والے کہنا علماء اہلسنت سے نفرت پیدا کرنا شامل ہے یا بدعقیدہ و گمراہوں کے جلسوں اور مجلسوں میں شرکت کرنا۔(انوار شمسی در رد مباحی)

(نوٹ):۔" دہلی کا ایک ماہنامہ میں پونہ کے فقہی سمینار کی رپورٹ صفحہ ۳۴ پر چھپی ہے ۔اس پر اشرفیہ مبارکپور کے مدرس صاحب کا خطبۂ صدارت چھپا ہے اس خطبۂ صدارت میں کیا مغالطہ دیا گیا ہے اس کا اور اس میں کس طرح فریب دیا گیا ہے۔اس کا رد و ابطال آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے"۔(ادارہ)

جدید ذرائع ابلاغ سے رویت ہلال کا ثبوت

از: تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا قادری ازہری میاں صاحب قاضی القضاۃ فی الہند دامت برکاتہم القدسیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابھرتے ہوئے جدید مسائل میں دربارۂ رویت ہلال، ٹیلیفون، فیکس، ای میل کے معتبر ہونے کا مسئلہ سرفہرست ہے۔

اس موضوع پر ملک کے مختلف شہروں میں کئی سیمینار ہوئے، درجنوں اخبار ورسائل میں اس پر مضامین شائع ہوئے۔ بعض سیمیناروں میں فقہاء کرام کی تصریحات کو بالائے طاق رکھ کر یہ فیصلہ بھی کردیا گیا کہ اگرچند موبائل کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر موصول ہوجائے تو یہ خبر مستفیض ہے۔ کچھ سالوں پہلے شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف میں بھی یہ موضوع زیر بحث آیا جس میں بعض مقالہ نگار مفتیوں نے اس پر بڑا زور صرف کیا کہ چند موبائل، ٹیلیفون سے حاصل ہونے والی خبر کو خبر مستیفض مان لیا جائے اور اس پر بھی کہ قاضی کا اعلان اس کے پورے حدود قضاء میں معتبر ہونا چاہئے ابھی ۱۹ ستمبر ۲۰۱۳ء کو رویت ہلال سے متعلق اجمیر شریف میں بھی ایک سیمینار ہوا جس میں مذکورہ بالا فیصلہ کا اعادہ کیا گیا۔ بعض احباب نے بار بار مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان مقالات، مضامین، تحریروں اور فیصلوں کے مد نظر میں بھی کچھ لکھ دوں تاکہ عوام مسلمین پر صحیح حکم شرعی و فقہی نقطۂ نظر واضح ہوجائے۔ بحمدہٖ تعالیٰ گوناگوں مصروفیات وعلالت کے باوجود چند صفحات ارقام کروائے جس میں اصل موضوع پر تحقیق مباحث کے ساتھ ساتھ ازالۂ شبہات کا بھی التزام کیا ہے، مولیٰ تعالیٰ اسے مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور صحیح حکم شرعی پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

رویت ہلال سے متعلق اجمیر شریف میں ہونے والے سیمینار کے کچھ مقالات ملاحظہ ہوئے سرفہرست ایک مکتوب پڑھوا کر سنا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی جگہ سے اگرچند موبائل کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر پہنچے تو یہ خبر مستفیض ہے جس پر عمل ضروری ہے اور یہ کہ یہ شہادت کے قبیل سے نہیں بلکہ خبر ہے لہٰذا مخبر کا حاضر ہونا ضروری نہیں، مخبرا گر دور ہو اور اس کی خبر کسی آلہ کے ذریعہ سنی جائے تو بھی یہ خبر ہے اور اگر مخبر چند ہوں مثلاً چار، نو، بارہ تو خبر مستفیض ہے، یہ خط کے تمہیدی کلمات اور اخیر جملوں کا مفاد ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا ٹیلیفون وغیرہ کا اعتبار دربارۂ رویت ہلال ہے یا نہیں؟ اور اگر متعدد ٹیلیفون کسی شہر سے آجائیں کہ فلاں جگہ رویت ہوئی تو یہ بمنزلۂ استفاضہ ہوگا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ استفاضہ اعلیٰ درجہ کی خبر صحیح ہے۔ اس مقام پر درج ذیل امور کا لحاظ ہونا چاہئے تھا جو نہیں ہوا۔ صحت خبر کا مدار محض سماع پر نہیں بلکہ منجملہ شرائط معتبرہ اتصال بھی درکار ہے۔ اتصال بے ملاقات متصور نہیں۔ اسی لئے تو امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالفعل ملاقات کو حدیث کی صحت کے لئے شرط قرار دیا اور امام مسلم نے امکان ملاقات کی شرط رکھی یعنی انہوں نے اس پر محمول کیا کہ راوی کی مروی عنہ سے بوجہ معاصرت ملاقات ہوئی ہوگی۔ اور جہاں راوی اور مروی عنہ کے درمیان سیکڑوں واسطے ہوں تو بدیہی ہے کہ دونوں کا اتصال نہ ہوا تو خبر

متصل نہیں بلکہ منقطع ہے اور جب خبر منقطع ہے تو ہر گز بمنزلۂ استفاضہ نہیں ہو سکتی اگرچہ متعدد منقطع باہم مل جائیں جب بھی وہ خبر متصل نہیں ٹھہر سکتی۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ شیخ مصطفٰے رحمتی رحمۃ اللہ علیہ نے استفاضہ کی جو تعریف بایں الفاظ کی ”**معنی الاستفاضة ان تاتی من تلک البلد ة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رویة**“ تحقق استفاضہ کی شرط ہے نہ یہ کہ تحقق کی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت کا بیان ہے کہ اتصال بے ملاقات نامتصور اور ملاقات کے لئے جماعتوں کا آنا ضرور۔

صاحب مکتوب نے غالباً جب یہ دیکھا کہ علامہ رحمتی کی عبارت مکتوب میں درج باتوں کی صریح مخالف ہے تو اس کے تدارک کی یوں سعی کی ”خبر مستفیض کی جو تشریح علامہ رحمتی قدس سرہٗ نے کی ہے اپنے عہد کے لحاظ سے کی ہے اس لئے کہ اس عہد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر پہونچانے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ جماعت آکر خبر دے (الیٰ ان قال) خبر مستفیض کی تشریح علامہ رحمتی نے اپنے عہد کے لحاظ سے فرمائی ہے اور یہ خاکسار اس کی تشریح اپنے عہد کے لحاظ سے کر رہا ہے (اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اس خاکسار کی تشریح علامہ موصوف کی تشریح کو باطل نہیں قرار دیتی، بلکہ خبر مستفیض کی ایک دوسری شکل کی نشاندہی کرتی ہے)“ انتہیٰ کلامہٗ۔

ان کلمات کے پیش نظر صاحب مکتوب سے یہ کیا پوچھا جائے کہ خبر مستفیض کی تقریر جو آپ نے پیش کی اس میں آپ منفرد ہیں یا آپ سے پہلے فقہاء و محدثین میں سے کسی نے خبر مستفیض کی ایسی تقریر کی۔ صاحب مکتوب نے خود اعتراف کر لیا کہ اس تقریر میں کوئی ان کا سلف نہیں جس کے وہ متبع ہوں بلکہ جناب نے بزعم خود خبر مستفیض کی ایک دوسری شکل کی نشاندہی کی جس کا نام و نشان کتب فقہ میں نہیں، البتہ صاحب مکتوب سے اس دعوے پر سند کا مطالبہ ضرور ہے لہٰذا سند پیش کرنا لازم، یا تو وہ یہ بتائیں کہ محل بحث میں آپ کی بات بے سند قابل قبول ہے یا یہ سب کے نزدیک بدیہیات واضحات کے قبیل سے ہے کہ محتاج دلیل نہیں، بہر حال جبکہ یہ امر نزاعی ہے ہر گز بدیہی نہیں، مدعی کو دلیل قائم کرنا ضروری ہے۔ ھاتوا برھانکم۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے استفاضۂ شرعیہ سے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصریحات نقل کر دی جائیں تاکہ ٹیلیفونی استفاضہ کی شرعی حیثیت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ میں رقمطراز ہیں:

”بلکہ وہ استفاضہ جو شرعاً معتبر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور سب بالا تفاق یک زبان بیان کریں کہ وہاں فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ ان کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو، ردالمحتار میں ہے: **قال الرحمتی: معنی الاستفاضة ان تاتی من تلک البلد ة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رویة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه کما قد تشیع اخبار یتحدث بها سائر اهل البلد ة ولا یعلم من اشاعها کما ورد ان فی آخر الزمان یجلس الشیطان بین الجماعة فیتکلم بالکلمة فیتحدثون بها ویقولون لا ندری من قالها فمثل هٰذا لا ینبغی ان یسمع فضلا عن ان یثبت به حکم اھ۔ قلت وهو کلام حسن ویشیر الیه قول الذخیرہ**‘ (فتاویٰ رضویہ ج۴، ص۵۵۲۔۵۵۳)

پھر یہ بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ تحقق کی بھی شرط ہے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ہمارے ائمہ نے صرف استفاضہ و اشتہار کافی نہ جانا بلکہ اس کے ساتھ تحقق ہو جانے کی قید زیادہ فرمائی، علامہ عبد الغنی نابلسی ”حدیقہ ندیہ“ میں

فرماتے ہیں : اماخبر المتواتر من الناس بعضھم بعضا بذالک فھوممنوع لا سناد الکل فیہ الیٰ الظن والوھم والتخمین و استفادۃ الخبر من بعضھم لبعض بحیث لوسألت کل واحدمنھم عن رویتہ ومعاینتہ لقال لم اعاینہ۔ الخ" (فتاویٰ رضویہ، ج۴، ص۵۶۱۔۵۶۲)

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے کہ مکتوب میں استفاضہ کی جو نئی صورت پیش کی گئی اس پر استفاضہ کی کون سی تعریف منطبق ہے،اور اگر کوئی تعریف اس جدید استفاضے پر منطبق نہیں تو یہ علی حَدّالاُصولین استفاضہ ہی نہیں،ہاں یہ نئی اصطلاح استفاضۂ شرعیہ سے کوسوں دور اور صاحب مکتوب کی اختراع ضرور ہے۔

ذرا متواتر و مستفیض کی تعریفات ملحوظ رکھ کر بتایا جائے کہ اس جگہ استفاضہ اور تواتر مترادف ہیں یا استفاضہ تواتر کا غیر ہے؟اس مقام پر فقہی عبارات کا کیا مفاد ہے مثلاً البحر الرائق میں فرمایا:"قال الامام الحلوانی من مذھب اصحابناان الخبر اذا استفاض من بلدۃ اخریٰ وتحقق یلزمھم حکم تلک البلدۃ"(ج۲ص۲۷۱)۔اور تاتار خانیہ میں یوں فرمایا:"وعن محمد لایعتبر حتیٰ یتواتر الخبر من کل جانب ھکذاروی عن ابی یوسف"(ج۱ص۱۹۶)

لفظ"یتواتر الخبر"کا ہی مفاد ہے جو البحر الرائق میں "استفاض"کا ہے یا کچھ اور؟علامہ رحمتی ہی کی عبارت کا صحیح مفہوم کیا بتا رہا ہے اور "جماعات متعددون"کا مفاد کثرت بے حصر ہے یا قلت اور قلیل تعداد کی یقین؟

دو تین چار کو جماعت مانا تو مانا،اس سے بحث نہیں،چار ،چھ،نو،بارہ کو متعدد جماعتوں پر مشتمل قرار دیا اس طور پر کہ چار چونکہ متعدد جماعت ہے اسی طرح چھ متعدد جماعت ہے 'وعلیٰ ھذاالقیاس 'توآپ کے نزدیک چار،چھ پر بھی استفاضہ ہو جائے گا کہ متعدد جماعتیں متحقق ہیں،کیا عرف آپ کے اس دعوے کا مساعد ہے؟نہیں،بلکہ عرف اس کا مخالف ہے اسلئے کہ جماعت ایک گروہ کو کہتے ہیں جو کثیر افراد پر مشتمل ہو،ازروئے عرف اگر جماعت کا یہی معنی ہے تو ایک جماعت افراد کثیرہ پر مشتمل ہوگی ،پھر معنیٰ استفاضہ میں "جماعات متعددون"کہا ازروئے عرف اس کا کیا معنی؟یہی نا کہ استفاضہ کے لئے متعدد جماعتیں درکار ہیں اور ایک جماعت عرفاً کثیر افراد پر مشتمل ہوتی ہے ایسی جماعت جو کثیر افراد پر مشتمل ہو ایک نہیں متعدد درکار ہیں جن کی کوئی تعداد بیان نہ ہوئی بلکہ مطلقاً افادۂ عدم حصر و تعیین کے لئے اور تاکید مفہوم جماعات کے لئے "متعددون"فرمایا۔

اب اس عبارت کی صحیح تشریح جو مفہوم عبارت کے موافق اور عرف کے مساعد ہے کیا اس کے سوا کچھ اور ہے جو اعلیٰ حضرت نے یوں بیان فرمائی:"وہ استفاضہ جو شرعاً معتبر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور سب بالا تفاق یک زبان کہیں کہ وہاں فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ ان کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو"(ج۱۰،ص۴۳۵)

اگر یہی مفہوم ہے اور ضرور یہی مفہوم ہے تو اس صورت میں خبر مستفیض خبر متواتر کا مترادف ہے اور متواتر اعلیٰ درجہ کی خبر صحیح ہے جس میں راوی کا مرتبۂ تحمل اور مرتبۂ ادائے خبر میں حاضر ہونا ضروری ہے اور اتنی بات پر جملہ محدثین کا اتفاق چلا آرہا ہے اور اس صورت میں خبر مستفیض از قبیل روایت ہے نری خبر نہیں کہ اس پر یہ بات جمادی جائے کہ "ٹیلیفون ،اور ریڈیو وغیرہ آلات خبر (جن کی وضع ہی صرف خبر پہونچانے کے لئے کی گئی ہے) سے حاصل شدہ خبریں بھی خبر ہے۔الخ"

اب یہاں سوال متوجہ ہے کہ خبر مستفیض یہاں قطعاً بعینہ خبر متواتر ہے جس کے پہلے مرتبے میں بھی ایک دوسے سننا ملحوظ نہیں بلکہ ہر مرتبے میں جماعت کثیرہ کی خبر ہونا ضرور ہے

اس پر حدیقۂ ندیہ کی عبارت جو فتاویٰ رضویہ میں درج ہوئی شاہد عدل ہے اور اس کے آخری کلمات جو یوں ہیں :"**وربما اذاتأمّلت وتفصّحت وجدت خبر ذالک التواتر الذی تزعمه كله مستندافى الاصل الىٰ خبر واحد اواثنين**"(الحديقة الندية ج۲، ص۵۲۱)واجب اللحاظ ہیں۔

اب بتایا جائے کہ جو نو موبائل کو کافی جانا گیا اور اس سے موصول ہونے والی خبر کو استفاضہ ٹھہرا دیا گیا یہ اصولیٔن میں امر متفق علیہ کا خلاف ہے یا نہیں ؟اور معنیٰ استفاضہ جس کی تشریح اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے کلام سے گزری اور جو قدیم سے علماء میں ایسا معروف و مشہور چلا آرہا ہے کہ اس کے سوا وہ اور کوئی معنی نہیں جانتے، ان لوگوں کا پیش کردہ معنی اور استفاضہ کی دوسری شکل جسے آج اختیار کیا جارہا ہے کیا اس کا لحاظ معنی قدیم معمول بہ کا رافع نہیں اگر نہیں تو کیسے نہیں ؟ کیا یہ دوسری شکل پہلی شکل کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اگر ہو سکتی ہے تو کیسے ؟ اور اگر نہیں ہو سکتی کہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور اجتماع نقیضین محال، تو جب یہ دوسری ہو گی تو پہلی کیونکر نہ اٹھ جائیگی۔

اس جگہ بلحاظ مناسبت مقام بطور جملہ معترضہ یہ عرض کردوں کہ منعقدہ سیمینار کی رپورٹ میں چلتی ٹرین پر فرض وواجب حقیقی و حکمی کی ادائیگی کے متعلق یہ کہا گیا کہ "چلتی ٹرین پر فرض وواجب حقیقی و حکمی کی ادائیگی کے بعد اعادہ کی حاجت نہیں جیسا کہ خود فتاویٰ رضویہ کی عبارت سے واضح ہے، یہ حکم کسی طرح بھی نہ فتاویٰ رضویہ کے خلاف ہے، نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے انحراف ہے، نہ ہرگز ہرگز کسی طرح یہاں خرق اجماع مسلمین متصور۔" یہ دعویٰ تو کیا گیا کہ یہ حکم کسی طرح بھی نہ فتاویٰ رضویہ کے خلاف ہے نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے انحراف ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دعویٰ اپنے آپ میں انتہائی حیرت انگیز ہے، فتاویٰ رضویہ سے جو ظاہر ہے بلکہ جو اس کا صریح منطوق ہے کہ چلتی ٹرین پر یہ نمازیں نہیں ہو سکتیں، اس کے خلاف کو ظاہر بتادیا اور اس پر یہ بات جمادی "نہ ہرگز ہرگز کسی طرح یہاں خرق اجماع مسلمین متصو۔"

اگرچہ استقرار واتحاد مکان کی اجماعی شرطیں نظر انداز کردی گئیں اور اصل اجماعی کہ منع من جھة العباد کا اعتبار نہیں کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا بلکہ شاید اسے مانع سماوی خیال فرمایا، یہ حال تو ٹرین کے مسئلے میں تمام فقہاء کی تصریحات بالخصوص اعلیٰ حضرت کے فرمان کے ساتھ ہوا. کیا اس جگہ بھی نہ کہیں گے "جیسا کہ فتاویٰ رضویہ سے ظاہر ہے. یہ حکم کسی طرح بھی نہ فتاویٰ رضویہ کے خلاف ہے نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے انحراف ہے نہ ہرگز ہرگز کسی طرح یہاں خرق اجماع مسلمین متصور۔"

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب خبر مستفیض، خبر متواتر ہے اور یہاں خبر متواتر، مجرد خبر نہیں بلکہ از قبیل روایت ہے اور روایت کے تحمل وادا میں جو دستور اہل فقہ وحدیث وائمہ قدیم و حدیث میں معمول و متوارث چلا آرہا ہے اس کا خلاف کیا خلاف اجماع نہیں ؟اور معمول قدیم متوارث کی خلاف ورزی نہیں ؟ ہے اور ضرور ہے اور اس طرح یہاں دو وجہ سے خرق اجماع نقد وقت ہے۔

پھر یہ سوال ہے کہ کیا خبر مستفیض، مجرد خبر ہے یعنی اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس خبر کے درمیان اور شہادت کے درمیان قدر مشترک ہو، یا اس میں کوئی قدر مشترک ہے بر تقدیر اول کیا ایسی مجرد خبر حجت شرعیہ ہو سکتی ہے ؟ بر تقدیر ثانی وہ قدر مشترک کیا ہے ؟ یہی نا کہ ایسی خبر میں شہادت کی طرح معنیٰ الزام ہے تو اس لحاظ سے یہ من وجہ شہادت کی طرح ہے اور شہادت کے دونوں مرتبوں یعنی مرتبۂ تحمل و مرتبۂ ادا میں حضور کا لحاظ ہے جس کی رو سے یہ ضروری ہے کہ وہ تحمل اور ادائے

شہادت کے موقع پر حاضر ہو۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ رحمتی نے استفاضہ کی وہ تعریف کی جس کی رو سے جماعت مخبرین کا دوسرے شہر میں قاضی کے روبرو حاضر ہونا ضروری ہے۔ جن حضرات نے استفاضے کی دوسری قسم کی نشاندہی کی جسکی رو سے قاضی کے حضور حاضر ہونے کی اتفاقی شرط اٹھ گئی، ان پر لازم ہے کہ قرآن وسنت سے یا کم از کم فقہ کی کتب معتمدہ سے اس صورت جدیدہ کا استثناء مبرہن کریں۔ دلیل لائیں تاکہ اس میں نظر کی جائے اور اگر اس پر کوئی دلیل نہیں رکھتے تو بتائیں کہ آپ حضرات نے از روئے تقلید التزام مذہب معین کا عہد کیا یا نہیں؟ تقلید مذہب معین سے یہ عہد ضرور لگا بندھا ہے، اسکی رو سے کیا آپ پر لازم نہیں کہ قول راجح ہی پر عمل کریں اور اسی کو مذہب جانیں؟ ضرور لازم ہے۔ اسی لئے ماوشما کس گنتی میں، ناقلان مذہب نے فرمایا: "اما نحن فعلینا اتباع ما رجّحوہ وما صحّوہ کما لو أفتوفی حیاتھم" اور فرمایا: "الفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع"، اسی کے تحت طحطاوی علی الدر میں فرمایا: "وھو باطل وحرام" (ج۱، ص۵۰)

لہٰذا قول راجح سے عدول، عدول عن المذھب ہے جسکی اجازت صلاحیت ترجیح سے عاطل نرے مقلدین کو نہیں ہو سکتی جیسا کہ عبارات مندرجہ بالا سے ظاہر ہے۔ جب قول راجح سے عدول کے سلسلے میں علماء کی یہ کچھ تصریحیں ہیں تو ایسے مسئلے سے عدول کا کیا حال ہوگا جس کے خلاف کوئی قول مرجوح بھی منقول نہیں۔ ومن ادّعیٰ فعلیہ البیان۔

بہر حال یہ سوال ہے کہ استفاضے کی دوسری قسم کی راہ ائمہ ھدیٰ نے دکھائی یا محض ہویٰ نے یہ ہواد کھائی۔

اس مقام پر ضرورت وحاجت کا بھی سہارا نہیں لیا جا سکتا کہ اصل حکم سے عدول کے لئے حقیقۃ تعذر اور سچی حاجت صحیحہ شرعیہ مطلوب ہے جو یہاں مفقود ہے۔ کسی شہر سے دوسرے شہر میں شہادت شرعیہ کا حصول یا استفاضۂ مقبولۂ شرع کا تحقق نہ ہو سکے تو اس کا تعذر تعمیل اصل حکم کا تعذر کیونکر ٹھہرے گا اور کونسی حاجت اکمال عدت شہر سے مانع ہوگی۔ اور جب یہاں اصل حکم کہ تکمیل عدت شہر ہے۔ پر عمل ممکن بلکہ لازم تو پھر کیا ضرورت کہ ٹیلیفون وغیرہ اسباب کو امور شرع میں دخیل کیا جائے اور خواہی نخواہی ٹیلیفون، موبائل، فیکس، ای میل وغیرہ کو برخلاف تصریحات فقہاء معتبر مانا جائے۔

اس سلسلہ میں فساد صوم اور فساد عقیدہ کو معرض حاجت میں ذکر کیا جاتا ہے صوم وعید کا حکم تحققِ رویت پر ہے تو جہاں شرعی طور پر تحقق رویت نہ ہو ہرگز نہ روزہ صحیح ہوگا نہ عید کرنا حلال ہوگا بلکہ اس جگہ کے لوگوں پر مہینہ کی گنتی پوری کرنا لازم ہے اور روزِ شک کو خواہی نخواہی رمضان یا روزِ عید ٹھہرانا، روزہ رکھنا، عید کرنا حرام۔

اس مفسدہ کا ازالہ ٹیلیفون، فیکس وغیرہ اسباب غیر معتبرہ کو دربارۂ رویت معتبر ٹھہرا کر کیونکر متصور بلکہ یہ مفسدۂ فسادِ صوم اس صورت میں بھی موجود اور امر غیر شرعی کو شرعی جاننا خود فسادِ عقیدہ ہے تو اس صورت میں بھی فساد عقیدہ نقد وقت ہے اور ائمہ مذہب کی تصریحات کو بالائے طاق رکھنا ایک گونا غیر مقلدیت ہے اور اس سلسلہ میں مجھے معاف رکھا جائے اگر میں یہ کہوں کہ اس دروازے سے رفتہ رفتہ قیود مذہب سے کھلی آزادی اور تقلید سے بیگانگی کا کھلا اندیشہ ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استفاضہ کی دو ہی صورتیں رقم فرمائیں۔ ایک وہ جو رحمتی کے حوالے سے گزری اور دوسری یہ ہے "اور ایک صورت یہ بھی متصور کہ دوسرے شہر سے جماعات کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے عام لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے

جن کا بیان مورثِ یقین شرعی تھا ظاہراً اس تقدیر پر وہاں کسی ایسے حاکم شرع کا ہونا ضرور نہیں کہ رویت فی نفسہا حجت شرعیہ ہے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموا الروتہ وافطروا الرویتہ جب جماعتِ تواتر جماعتِ تواتر سے ان کی روایت کی ناقل ہے تو رویت بالیقین ثابت ہوگئی اور شہادت کی حاجت نہ رہی کہ اثبات احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اس سے اقوی ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، ج۴، ص۵۵۳)

نیز اعلیٰ حضرت رقمطراز ہیں کہ: ''علماء تصریح فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہو سکتی ہے کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی پھر فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: **لو سمع من وراء الحجاب لا یسعه ان یشهد لا حتمال ان یکون غیره اذا النغمة تشبه النغمة۔**'' (فتاویٰ رضویہ، ج۴، ص۵۲۷)

سوال یہ ہے کہ جب استفاضہ متعدد ٹیلیفون اور متعدد فیکس وغیرہ سے موصول ہونے کی صورت میں متصور تھا تو اعلیٰ حضرت نے استفاضہ کے بیان میں یہ صورت کیوں نہ لکھی؟ اور جب ٹیلیفون کی خبر معتبر ٹھہرایا تو متعدد فونوں کے موصول ہونے کا استثناء فرما کر اسے استفاضہ کیوں نہ قرار دیا۔

یاد رہے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو کہ احکام ہلال اسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور وہ خود عالم اور ان احکام میں علم پر عامل و قائم یا کسی عالم دین محقق و معتمد پر اعتماد کا ملتزم و ملازم ہے، یا جہاں قاضی شرع نہیں تو مفتی اسلام، مرجع عوام و متبع الاحکام ہو کہ احکام روزہ و عیدین اسی کے فتویٰ سے نفاذ پاتے ہیں، عوام کالانعام بطور خود عید و رمضان نہیں ٹھہرا لیتے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی'' (فتاویٰ رضویہ، ج۴، ص۵۵۲)

اقول: استفاضہ کی جو مندرجہ بالا پہلی صورت اعلیٰ حضرت نے ذکر فرمائی اور اس میں قاضی و مفتی میں جو قیدیں ملحوظ رکھیں ان کے پیش نظر استفاضۂ شرعیہ کی پہلی صورت پر بھی رویت ثابت نہ ہوگی بلکہ نظر بحال زمانہ اطمینان کافی مطلوب ہوگا خصوصاً جبکہ کسی خاص جگہ کے قاضی و مفتی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ پابند احکام شرع نہیں۔ ٹیلیفون استفاضہ کا دروازہ کھولنے کے بعد اب جو یہ کہا جاتا ہے کہ ''خبر رسانی کے جدید ذرائع مثلاً ٹیلیفون، موبائل، فیکس، ای میل سے استفاضہ کا تحقق ہو سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان ذرائع کو ممکن حد تک ناخدا ترسوں کے دھوکہ، فریب اور جھوٹ کے اندیشہ سے محفوظ رکھا جائے ورنہ ان کے ذریعہ موصول ہونے والی خبروں کی حیثیت بازاری افواہ کی ہوگی نہ کہ استفاضہ کی۔''

اقول: اس پر اولاً: یہ معروض ہے کہ یہ مقالہ نگار کا اپنا خیال ہے جو نہ صرف فتاویٰ رضویہ بلکہ دیگر کتب مذہب جن کی عبارتیں فتاویٰ رضویہ میں منقول ہوئیں اور بشمول فتاویٰ رضویہ یہ سب کتابیں مقالہ نگار کی معتمد ہیں ان سب سے صرف نظر کیوں کر روا؟ اور ان تمام معتمدات کی مخالفت کیسے درست؟ اور یہ کہاں سے نکلا کہ تحقق ہو سکتا ہے؟

ثانیاً: اس عبارت میں مقالہ نگار نے ان ذرائع ابلاغ میں اندیشہ کو مانا جب تو یہ لکھا کہ ان ذرائع کو ممکن حد تک ناخدا ترسوں کے دھوکہ، فریب اور جھوٹ کے اندیشہ سے محفوظ رکھا جائے ورنہ ان کے ذریعہ موصول خبروں کی حیثیت بازاری افواہ کی ہوگی نہ کہ استفاضہ کی۔ اچھا ہوتا کہ پہلے وہ سارے اندیشے دفع فرما دیتے اور ان ذرائع کا محفوظ ہونا ثابت و آشکار کر دیتے پھر اس پر سب سے اتفاق کروا لیتے اور جب یہ مسئلہ اجماعی ہو جاتا تو اس پر مناط اجماع منطبق کرتے۔

ثالثاً: ان ذرائع کو محفوظ بنانے کی یہ تجویز کہ جو لوگ ٹیلیفون، موبائل فون، فیکس یا ای میل کے ذریعہ چاند ہونے کی خبر دیں انہیں قاضی شریعت یا اس کے سامنے اس کا معتمد فون کرکے یہ تصدیق حاصل کرلے کہ فون، فیکس، موبائل، ای میل کے ذریعہ انہوں نے ہی اطلاع دی ہے۔اس پر معروض ہے کہ یہ تدبیر کیونکر کارگر ہوگی؟ جو اندیشہ پہلے تھا وہ اب بھی ہے محض معتمد کے گفتگو کرلینے سے اندیشہ کا ازالہ کیونکر ہوگا؟ نیز فیکس، ای میل وغیرہ کی خبروں کو بوجہ کثرت بمنزلۂ استفاضہ ماننا صراحۃً اعلیٰ حضرت کے ارشاد کے خلاف ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''مگر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر ،تار یا خط بدرجۂ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہوسکتا ہے اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط ''(فتاویٰ رضویہ ،ج۴، ص۵۵۸)

رابعاً: اگر تسلیم کرلیا جائے کہ ایک گونہ اعتماد ہوگیا اور کسی حد تک ازالہ ہوگیا پھر بھی استفاضہ کا تحقق نا متصور بلکہ صاف ظاہر کہ جس کو استفاضہ سمجھا جارہا ہے اس کا منتہیٰ اور مدار ایک پر ہے تو یہ استفاضہ ہوگا یا خبر واحد وہ بھی غیر متصل ۔ ممکن ہے کہ بعض اذہان میں یہ بات ابھرے کہ ہمیں تو یقین ہوگیا اس کا جواب اعلیٰ حضرت سے سنتے چلئے: ''اور یہ زعم کہ ہم کو تو یقین ہوگیا صحیح نہیں، یقین وہ ہے جو حجت شرعیہ سے ناشی ہو ،یوں تو ایک جماعت ثقات عدول کی وقعت ان چند مجہولوں یا ساقطوں یا تار و خطوط کی اوہام وضبوط سے کیا کم تھی، انصاف کیجئے تو بدرجہا زائد تھے پھر کیوں علماء دین نے اسکی بے اعتنائی کی تصریح فرمائی۔

خامساً: ثقہ علماء قاضی اور شہر کے دو تین صالحین کو فون کرکے جو تصدیق حاصل کی جائیگی اس میں بھی وہی احتمال و اندیشہ رہے گا، کہ آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے، اور مقام مقام احتیاط ہے جس میں نادر شبہ کا بھی اعتبار ہے، خود مقالہ نگار نے جابجا اندیشوں کا ذکر کیا اور نادر و غیر نادر کی کوئی تفصیل نہ کی، پھر فون پر اس امر کی تصدیق کیسے ہوسکے گی کہ اس نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا، یہ امر باب شہادات سے ہے اس میں محض خبر وہ بھی سیکڑوں پردوں کے پیچھے سے کیوں کر مسموع ہوگی، پھر بات وہی ہے کہ اس صورت میں منتہیٰ ایک، تو استفاضہ کیسے ہوگا؟ اور بذریعہ ای میل قاضی کی اصل تحریر پہنچنا کیسے متصور؟ یہی حال فیکس کا بھی ہے پھر ای میل میں اس نادر شبہ کا لحاظ کیا کہ سرور (کمپیوٹر کی ایک مشین کا مالک) جعل سازی کرسکتا ہے، یہ بات اس دعویٰ میں ہماری مؤید ہے کہ مقام احتیاط میں نادر کا اعتبار ہوتا ہے پھر اسکی تصدیق کے لئے وہی مشتبہ ذریعہ بتایا کہ جس قاضی نے اسے وصول کیا وہ ٹیلیفون یا موبائل کے ذریعہ پیغام رساں وغیرہ سے تصدیق حاصل کرے۔اور انجانوں کے بارے میں تصدیق کیسے ہوگی کہ وہابی، دیوبندی نہیں، اور بیانات کی چھان بین اور فریب کا ازالہ کیسے ہوگا؟

یہاں سے ظاہر کہ مذکورہ طریقے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقے جن میں مدار ٹیلیفون، موبائل، ای میل، فیکس پر ہے وہ خود مستقل طور پر قابل اعتبار نہیں بلکہ محتاج تصدیق ہیں ، اور ان کی تصدیق ٹیلیفون، موبائل، ای میل، فیکس سے نہیں ہو سکتی کہ اندیشے سے خالی نہیں، اور مشتبہ مشتبہ کا مصدق نہیں ہو سکتا، اور فیکس، ای میل اگرچہ دس، گیارہ ہوجائیں، یوں ہی فون اگرچہ متعدد ہوں بمنزلۂ استفاضہ نہیں ہوسکتے۔ فقہاء نے دربارۂ خط نادر شبہہ کا اعتبار فرماکر اسے احکام میں نامعتبر ٹھہرایا اور علت اشتباہ ابتدائے کلام میں اس کی ندرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بتائی ''**ان الکتاب قد یفتعل ویزوّر والخطّ یشبه الخط و الخاتم یشبه الخاتم**''یعنی کبھی جھوٹا نامہ بنالیا جاتا ہے اور ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے، اور ایک مہر

دوسری مہر کی طرح ہوتی ہے۔اس کے باوجود "کتاب القاضی الی القاضی" کو بر خلاف قیاس باجماع صحابہ وتابعین طرق موجبہ سے شمار کیااور اس کے لیے وہی منجملہ شروط شہادت شرعیہ کی شرط رکھی اور اس کے بر خلاف رسول قاضی بلکہ خود قاضی کے بیان کا اعتبار نہ کیا کہ اجماع تو بر خلاف قیاس کتاب القاضی پر ہوا ہے ،اور جو خلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر مقتصر رہتا ہے، بھلا رسول قاضی ان اخبار پس پردہ سے بدرجہا بہتر تھا اور حاجت بھی درپیش پھر مناط اجماع کو ان لوگوں نے اس پر منطبق کیوں نہ فرمایا؟

اور جب ان ذرائع میں یہ کچھ اندیشے ہیں اور یہ بذات خود کافی نہیں اور ان کے ذریعہ تصدیق بھی مشتبہ تو ان جدید ذرائع سے موصول ہونے والی خبروں میں شبہہ کیوں نہیں ہونا چاہیے۔ خصوصاً عید کے سلسلے میں بصورت استفاضہ بھی اندیشہ مانا تو ان اخبار پس پردہ کا بمنزلۂ استفاضہ ہونا یوں بھی ممنوع اور ان میں اشتباہ واندیشہ خود کو مسلم تو سبیل اطلاقِ منع اور اندیشوں اور مفسدوں کا دروازہ بالکل بند کرنا ہے نہ یہ کہ دوراز کار ایسی شرطیں لگائی جائیں اور بزعم خود راہ جواز نکالی جائے جن کی پابندی بے راہ رؤوں سے نہ ہوسکے اور وہ قیدوں سے آزاد ہو کر رخصت پر کاربند ہوں اور مفتی کے حکم کو بہانا بنائیں شرع کا قاعدہ ہے

"درءالمفاسداھم من جلب المصالح"

وہابیوں کے جذبۂ مسابقت کا ذکر تو کیا مگر شدہ شدہ یہ بلا بہت سے سنی عوام میں بھی سرایت کر چکی ہے وہ بھی سعودیہ بلکہ لکھنؤ، دہلی میں چاند ہو جانا اور ریڈیو سے اس کا اعلان سن لینا اپنے زعم میں بڑا ثبوت سمجھتے ہیں، تو متمم، تو ایسے بہت سارے سنی بھی ہیں کہ ان کی بھی دوبدو کی خبر قابل تحقیق ہے تو ٹیلیفون ، فیکس وغیرہ مشتبہ ذرائع سے موصول ہونے والی خبریں معتبر نہیں ہوسکتیں اگرچہ خبر دینے والے سنی ہوں۔ہاں ٹیلیفون وغیرہ پر کسی طرح اعتبار کا انجام تصریحات ائمہ مذہب کو بالائے طاق رکھنا اور قیود مذہب سے آزادی میں دوسروں کے ساتھ مشارکت اور عوام کو آزاد کرنا ضرور ہوگا۔

قاضی کے معتمدین کی حیثیت مقرر کی جائے ، مدعی تو نہیں جیسا کہ ظاہر ہے، پھر کیا شہود ہیں یعنی اپنی رویت پر گواہ اور اس روسے ان کی خبر ضرور مثل شہادت ہے اور ہر شہادت میں شہود کا قاضی کے یہاں حاضر ہونا لازم، یہاں پھر وہی سوال عود کرتا ہے کہ اس صورت کا استثناء کس دلیل سے ہے؟ یامزکّی ہیں یعنی شاہدانِ دیگر کی تعدیل وتوثیق کا کام انجام دیتے ہیں تو اس صورت میں بھی وہ مرتبۂ شہود میں ہیں لہٰذا ان کا جملہ شروط کی طرح قاضی کے یہاں حاضر ہونا لازم، یہ کس دلیل سے مستثنیٰ ہوئے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے تعدیل کی شہادت دیں۔

اتنی بات تو ظاہر ہے کہ استفاضۂ مزعومہ کی دوسری شکل جسکی نشاندہی صاحب مکتوب نے کی اس میں یکبارگی جماعت موجود نہیں ہوتی بلکہ افراد متعاقبہ اور آحاد مترتبہ جو یکے بعد دیگرے خبر دیتے ہیں ان سے ذہن میں جماعت کا تصور ابھرتا ہے، ذہن میں موجود ہونے والی یہ جماعت آپ کے طور پر قاضی کے نزدیک حکم حضور سے مستثنیٰ سہی، کیا اس جماعت کے متقدم ارکان اور پہلے رونما ہونے والے آحاد وافراد بھی حضوری کے حکم سے مستثنیٰ ہیں؟ آپ کی تقریر کی روسے ان کا مستثنیٰ ہونا بھی ضروری ہے جیسا کی ظاہر ہے، یہ کیسی موہوم جماعت استفاضہ نکلی جسکے آحاد وافراد موجود فی الخارج بھی عام شہود سے الگ قاضی کے یہاں حاضری سے بے نیاز ٹھہرے۔

صاحب مکتوب ٹیلیفون استفاضہ کی دو شکلیں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "ایک شکل ہے دور والے سے خود بذریعۂ ٹیلیفون خبر لینا اور دوسری شکل ہے دوروالے کا خود بذریعۂ ٹیلیفون خبر دینا، ان دونوں شکلوں میں فرق ظاہر ہے

،پہلی شکل میں ہم اپنے جانے پہچانے لوگوں سے رابطہ پیدا کرکے ان سے خبر لیتے ہیں،اس لئے اس میں ہمیں دھوکہ نہیں دیاجاسکتا۔اس کے برعکس دوسری شکل میں خبر دینے والوں سے ہم خود بے خبر ہوتے ہیں تو اس میں دھوکہ کا امکان ہے کہ خبر دینے والے اپنے ہم مسلک ہیں بھی کہ نہیں، نیز خبر مستفیض کے لئے جتنی تعداد مطلوب ہے، اتنے ہی افراد خبر دے رہے ہیں یاچند لوگ ہیں جوآواز بدل بدل کر کثیر بنے ہوئے ہیں''

صاحب مکتوب نے یہ کہہ کر ''آواز بدل بدل کر کثیر بنے ہوئے ہیں'' دوسری صورت میں تو احتمال شبہہ مانا، پہلی صورت یعنی جانے پہچانے اور معتمد لوگوں سے معلوم کرنے کی صورت میں بھی یہ شبہہ موجود ہے کہ آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے ،تو ایک آواز دوسری آواز سے متبدل ہوسکتی ہے اگرچہ دانستہ معتمدین نہ بدلیں جیساشبہہ وہاں ہے ویساہی یہاں ہے توایک جگہ اس کا اعتبار اور دوسری جگہ اس کو نظر انداز کرنا کیا معنٰی ؟مکتوب میں بڑے زوردار الفاظ میں خبر مستفیض کی بناپر تمہیدی کلمات کے بعد یہ کہا: ''کسی خبر کے خبر ہونے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ مخبر جہاں خبر پہونچائے وہاں حاضر بھی ہو، وہ آکر سامنے خبر دے جب بھی خبر ہے اور دور سے خبر دے جب بھی خبر ہے ۔''

اس اخیر فقرے کہ ''سامنے خبر دے جب بھی خبر ہے اور دور سے خبر دے جب بھی خبر ہے'' سے متعلق یہ عرض ہے کہ ہندیہ کا یہ جزئیہ ملاحظہ کریں جویوں ہے: ''**ان کان بالسماء علة فشهادة الواحد علیٰ هلال رمضان مقبولة اذا كان عدلا مسلما عاقلا بالغا حرا كان او عبدا ،ذكرا كان او اثنیٰ ،وكذاشهادة الواحد علیٰ شهادة الواحد وشهادة المحدود فی القذف بعد التوبة فی ظاهر الرواية هٰكذا فی فتاویٰ قاضی خان واما مستور الحال فالظاهر انه لا تقبل شهادته ،وروی الحسن عن ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ انه تقبل شهادته وهوالصحيح كذافی المحيط وبه اخذ الحلوانی كذا فی شرح النقاية للشيخ ابی المكارم وتقبل شهادة عبد علیٰ شهادة عبد فی هلال رمضان ،وكذاالمرأة علیٰ المرأة ولا تقبل شهادة المراهق ولا يشترط فی هٰذا الشهادة لفظ الشهادة ولا الدعویٰ ولا حكم الحاكم حتیٰ انهٗ لو شهد عند الحاكم وسمع رجل شهادته عند الحاكم وظاهره العدالة وجب علیٰ السامع ان يصوم ولا يحتاج الیٰ حكم الحاكم**'' (ج ا، ص ۱۹۷)

یہاں چند باتیں مکتوب کی مؤید ہیں: ہلال رمضان میں ایک مرد عادل خواہ مستور الحال مسلم عاقل بالغ کی شہادت مقبول ہے خواہ آزاد ہو یا غلام ،اسی طرح ایک عورت کی شہادت مقبول ہے اسی طرح ایک کی شہادت دوسرے کی شہادت پر ،اور ظاہر الروایۃ میں توبہ کے بعد اس کی شہادت بھی مقبول جس پر حد قذف قائم ہوئی،اسی طرح غلام کی شہادت غلام کی شہادت پر اور عورت کی شہادت عورت کی شہادت پر مقبول ہے اس لئے کہ یہ خبر ہے لہٰذا اس میں لفظ ''اشھد'' کی شرط نہیں ،نہ دعوے کی شرط ہے، نہ حکم حاکم کی شرط ہے۔ الخ

اب سوال یہ ہے کہ اس جگہ خبر کو بارہا متعدد جگہوں پر شہادت سے تعبیر کیا اس پر شہادت کا اطلاق کس قبیل سے ہے حقیقت ہے یا مجاز؟ مجاز ہے تو علاقۂ مجاز کیا ہے؟ اب ذرا اخیر فقرہ ''سامنے خبر دے جب بھی خبر ہے اور دور سے خبر دے جب بھی خبر ہے'' کو پیش نظر رکھ کے یہ بتایا جائے کہ کیا کسی کو یہ پہونچتا ہے کہ ہلال رمضان کی خبر گھر بیٹھے قاضی کو دے دے اور مجلس قضاء میں حاضر نہ ہو کہ آخر یہ خبر ہے ''سامنے خبر دے جب بھی خبر ہے اور دور سے خبر دے جب بھی خبر ہے۔'' فاعتبروا یااولی الابصار۔

جواب اگر اثبات میں ہے تو بالدلیل بتایا جائے ، نیز بتا یا جائے کہ مخبر واحد میں جو شرطیں ذکر کی گئیں کہ عادل مسلم عاقل بالغ ہو، ان شرطوں کی تحقیق کیسے ہوگی اور اگر محدود فی

القذف ہے تو اس کی توبہ کا ثبوت بھی درکار ہے وہ یوں ہی کیسے حاصل ہوگا اور اگر جواب نفی میں ہے یعنی گھر بیٹھے اس کی خبر نہ سنی جائے گی تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خبر مجرد خبر نہیں ہے بلکہ اسمیں رنگ شہادت ہے اسی لئے مجازاً اس پر شہادت کا اطلاق ہوا کہ جس طرح قاضی کے یہاں ادا ہوتی ہے یہ خبر بھی قاضی کے سامنے مخبر کو دینا لازم، اسی لئے یہ فرمایا: "**حتیٰ انہ لو شهد عند الحاكم وسمع رجل شهادته عند الحاكم وظاهره العدالة وجب علىٰ السامع ان يصوم ولا يحتاج الىٰ حكم الحاكم**"

کیا یہاں سے نہ کھلا کہ اس پر مادۂ شہادت اور اس کے مشتقات کا اطلاق مجازاً یوں ہی بے فائدہ نہیں ہے بلکہ اس افادے کے لئے ہے کہ یہ خبر رنگ شہادت رکھتی ہے لہٰذا جہاں "خبر" یا "یخبر" کلام فقہا میں واقع ہوا فقہائے دیگر کے کلام میں شہادت "شہد" وغیرہ اس خبر کی تفسیر ہیں، یہی وجہ ہے کہ استفاضۂ خبر کی اس صورت کو ہندیہ میں یوں تعبیر کیا: "**وان لم يكن بالسماء علة لم تقبل الا شهادة جمع كثير يقع العلم بخبرهم وهو مفوض الىٰ رأى الامام من غير تقدير هو الصحيح كذافى الاختيار شرح المختار وسواء فى ذالک رمضان وشوال وذوالحجة كذافى السراج الوهاج ،وذكر الطحاوى انه تقبل شهادة الواحد اذا جاء من خارج المصر وكذا اذا كان علىٰ مكان مرتفع (الىٰ ان قال)لكن فى ظاهر الرواية لا فرق بين خارج المصر والمصر**"

یہاں مجازاً جمع کثیر کی خبر کو شہادت کہا اور اسی ہندیہ میں دوسری جگہ شہادت کی جگہ مطلق قول کا اطلاق فرمایا، چنانچہ اسی میں ہے: "**وان كانت مصحية لا يقبل الا قول الجماعة كما فى هلال رمضان۔**"

اب اس کے پیش نظر علامہ رحمتی کی عبارت دیکھئے جو یوں ہے: "**معنى الاستفاضة ان تأتى من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن روية لا مجرد الشيوع۔ الخ**"

کیا "یخبر" کی جگہ "**یشهد**" نہیں کہا جا سکتا؟ ضرور کہا جا سکتا ہے، اس سے کیا مانع ہے؟ مختلف عبارات فقہا کو ایک معنی پر رکھنے کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں "**یخبر**" کو "**یشهد**" کا قائم مقام سمجھا جائے جس طرح ہندیہ میں ایک جگہ "**قول الجماعة**"، "**شهادة جمع كثير**" کے قائم مقام ہے کہ اس میں ابدائے وفاق اور رفع خلاف ہے، پھر یہاں علامہ رحمتی کی عبارت میں لفظ "**تأتى من تلك البلدة جماعات**" کیا اس پر قرینہ نہیں کہ یہاں "**یخبر**" بمعنی "**یشهد**" ہے۔ علامہ رحمتی کی عبارت میں کیا یہ دوسرا قرینہ "**لا مجرد الشيوع**" نظر انداز کرنے کے قابل ہے؟ اور جب یہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تو کیا اس کا یہ معنی نہیں کہ مجرد استفاضہ وشہرت کافی نہیں بلکہ تحقق درکار ہے اور تحقق کے لئے مجلس حکم میں حاضری ضرور، اب ہندیہ اور رحمتی کی عبارت کا ایک ہی مفاد ہے وہ یہ کہ مخبرین حکم شاہدین میں ہیں لہٰذا علامہ رحمتی کی عبارت میں "**یخبر**" کے بجائے "یشهد" رکھا جائے تو عبارت یوں ہوگی: "**معنى الا ستفاضة ان تأتى من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يشهد على اهل تلك البلدة انهم صاموا عن روية۔ الخ**"

اگر ایک جماعت قاضی کے یہاں بیان کرے کہ فلاں شہر والوں نے اس جگہ کے باشندوں سے ایک دن پہلے روزہ رکھا اور انہوں نے خود چاند نہ دیکھا ہو، نہ دیکھنے والوں کی شہادت پر شاہد ہوں، کیا قاضی ان کے بیان پر حکم کر دیگا کہ کل عید ہے اور آج رات کی تراویح چھوڑ دی جائے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ یہ لوگ یک زبان اپنا دیکھنا بیان کریں یا دوسروں کی شہادت پر شاہد ہوں، ہندیہ میں ہے: "**ثم انما يلزم الصوم على متأخرين الرؤية اذا ثبت عند هم روية اولئک بطريق**

موجب حتیٰ لو شهد جماعة ان اهل بلدة قد رأو اهلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا ،وهٰذاليوم ثلاثون بحسابهم ،ولم يرهٰؤلاء الهلال لايباح فطر غد،ولا يترك التراويح فی هٰذا الليلة ،لأنهم لم يشهدوا بالرؤية ولا علی شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم ۔''(ج۱،ص۱۹۹)

کیااب بھی نہ کھلا کہ ہندیہ کی یہ عبارت علامہ رحمتی کی عبارت میں ''**یخبر**''کا بیان ہے جسکی رو سے یہ متعین ہے کہ ''**یخبر**''سے مجرد حکایت اور محض رویت کی خبر مراد نہیں بلکہ اس شہر والوں کی شہادت پر شہادت مراد ہے،لہٰذا تصحیح کلام ورفع تناقض کے اقتضا کے بموجب ''**یخبر**''کلام رحمتی میں ضرور بمعنی ''**یشھد**''ہے۔یہاں سے اس کا جواب ہو گیا کہ ''خبر مستفیض کی جو تشریح علامہ رحمتی قدس سرہٗ نے کی ہے اپنے عہد کے لحاظ سے کی ہے۔''اور جب اس خبر میں رنگ شہادت ہے اور شہادت میں ہر زمانے کا دستور جواب تک چلا آرہا ہے کہ شہادت مجلس قاضی میں ادا ہوتی ہے تو علامہ رحمتی کی تعریفِ استفاضہ محض اپنے زمانے کے لحاظ سے نہیں ہر زمانے کے لحاظ سے ہے۔

ٹیلیفون کی خبر کو بالائے طاق رکھیے ہندیہ کا جزئیہ ''**حتیٰ لو شهد جماعة ۔الخ**''پھر یاد کیجئے ،کیا اس کا صریح مفاد یہ نہیں کہ امور شرعیہ میں ٹیلیفون کی خبر تو کیا قاضی کے یہاں ایسی شہادت بھی نامعتبر، جس میں شہود نے نہ اپنی رویت پر شہادت دی نہ دوسروں کی شہادت پر شہادت دی ،کیا اس کا صریح مفاد یہ نہیں کہ صورت استفاضہ میں بھی یہ لازم ہے کہ مخبرین قاضی کے یہاں اپنی رویت کی شہادت دیں ۔(۱)یا دوسروں کی شہادت پر شاہد ہوں کیا ایسی خبر رنگ شہادت سے جدا ہو سکتی ہے ؟اور جب رنگ شہادت سے جدا نہیں ہو سکتی تو کیا کسی زمانے میں بھی دستور شہادت بدلا جا سکتا ہے ؟نہیں ،تو اعلیٰ حضرت کے زمانے اور اس زمانے کا فرق کیا معنی ؟اور اس تفرقہ پر بنا کیا مفید ؟اور اس تفرقہ کے لئے کونسی ضرورت داعی ؟(۱)

اب جیسے رمضان میں خبر واحد کی ادائیگی میں لفظ ''**اشھد**''کہنا شرط نہیں مگر پھر بھی ایک نکتے کے لحاظ سے خبر واحد کو مجازاً شہادت سے تعبیر کیا اسی طرح خبر مستفیض میں بدرجہ اولیٰ لفظ ''**اشھد**''شرط نہیں مگر اسی نکتے کے لحاظ سے یہاں بھی ''**حتیٰ لو شهدوا**''کہا وہ نکتہ کیا ہے یہی کہ مخبر کو ادائے خبر کے لیے شہود عند القاضی سے مفر نہیں تو یہ خبر کیا بالکلیہ شہادت سے جدا ہے یا رنگ شہادت لئے ہوئے ہے اور خبر مستفیض میں بھی استفاضہ کیا یونہی ہو جائے گا ہر گز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخبرین اپنی رویت کی بیک زبان خبر دیں یا اس شہر والوں کی رویت پر شہادت ادا کریں تاکہ یہ خبر مجرد حکایت نہ ٹھہرے اس پر عالمگیری کا اخیر فقرہ ''**لانهم لم يشهدوا بالرؤية ولا علیٰ شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم**''کیا یہ شہادت نہیں دے رہا ہے کہ مجرد خبر معتبر نہیں بلکہ وہ خبر معتبر ہے جسے شہادت سے تعبیر کر سکیں کیا محل خبر میں شہادت بولنا بے محل وبے فائدہ ہے پھر بمناسبتِ مقام یہاں ایک سوال فائدے سے خالی نہیں اگرچہ اس میں کسی قدر گزشتہ کی تکرار ہے۔سوال یہ ہے کہ عالمگیری کے جزیئے میں ''**لو شهد جماعة ،ان اهل بلدة قدر او هلال رمضان قبلكم بيوم۔الخ**''آپ کی تقریر کی روشنی میں قطعاً خبر مستفیض ہے کہ چند افراد کی خبر ہے ۔پھر کیوں فرمایا ''**لا يباح فطر غد ۔الخ** '' حالانکہ اس جگہ خبر مستفیض بلفظ ''**شهد**''ادا ہوئی ،اب وہی سوال لوٹ کے آیا کہ خبر مستفیض میں بھی استفاضہ کیا یوں ہی ہو جائے گا ؟کیا اس سے نہ کھلا کہ استفاضے سے مراد مجرد استفاضہ واشتہار نہیں بلکہ استفاضۂ شرعیہ مراد ہے جس کی رو سے خبر میں شہادت کی طرح معنی الزام ہو جہاں ''اخبر''کی جگہ ''**شهد**''بولنا صحیح ہو اس جگہ جماعت مخبرین کی بہ نسبت ''**شهد**''کہا گیا ،پھر کیوں ان کی خبر پر

عید کرنا حلال نہ ہوا اسی لئے نا کہ یہاں خبر مجرد خبر ہے محض حکایت ہے، چنانچہ کہا ”**لانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم**“ اور حکایت میں معنی الزام نہیں، لہٰذا ایسی خبر منجملہ طرق موجبہ نہیں، اگرچہ بلفظ شہادت ادا کی جائے پھر سوال ہے کہ مخبرین اگر بیک زبان خود اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کریں مانا جائے گا اور لفظ ”**اشھد**“ کہنا شرط نہ ہوگا لیکن ذرا محل تاویل میں ”**ولم یشھدوا علیٰ شھادۃ غیرھم**“ کے تیور دیکھ کے بتایئے کہ اگر مخبرین اس شہر والوں کی شہادت پر شہادت نہ دیں بلکہ یوں بیان کریں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے اس پر جملۂ سابقہ ”**لو شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ قدر او ھلال رمضان قبلکم بیوم**“ صادق ہے جس پر یہ فرمایا ”**لا یباح فطر غد**“ یہ دوسری صورت بھی خبر مستفیض کی ہے، جزئیہ دیکھ کر بتایا جائے کیا یہاں جماعت کثیرہ کا مطلق بیان کافی ہے یا ان کی شہادت سے کام چل جائے گا یا شہادت علی الشہادت کی شرط ہے؟ کیا اب بھی نہ کھلا کہ استفاضۂ شرعیہ بالکلیہ شہادت سے جدا نہیں، **ھکذا ینبغی ان تفھم کلماتھم واللہ الموفق یفھم من یشاء**۔

3G موبائل میں تصویر کشی کے ذریعہ ایک دوسرے کی جعلی تصویر دیکھنا ممکن ہے نہ کہ ایک دوسرے کا دوبدو سامنے ہونا جس طرح آئینے کے سامنے دیکھنے والا ہوتا ہے، پھر کیا بر تقدیر تسلیم اس صورت میں شہود کو حاکم کے یہاں حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا صرف اتنا کافی ہوگا کہ اسکرین پر وہ گواہ کا فوٹو دیکھ لے؟ اور جب صورت استفاضہ میں بھی یہ خبر رنگ شہادت سے جدا نہیں، اسی لئے اس صورت استفاضہ کو جا بجا مادۂ شہادت اور اس کے مشتقات سے تعبیر کیا، اسی لئے علامہ رحمتی نے اس کی تعریف میں یہ فرمایا کہ ”**ان تأتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون۔ الخ**“ تو اس پر اختلاف زبان و تبدیل عہد کی بنا کس کو مسلم ہو سکتی ہے؟ اور دستور شہادت جو آج تک غیر مذہبی کچہریوں میں بھی چلا آرہا ہے کا بدلہ جانا کس کو منظور ہوگا؟ امور شرعیہ میں یہ کیسے سنا جا سکتا ہے: ”لہٰذا ٹیلیفون اور موبائل پر اتنے لوگ خبریں جن پر جماعات متعددہ اور گروہ صادق آئے اور قاضی کو ظن غالب ملحق بالیقین ہو جائے تو اس استفاضہ کا تحقق ہو جائے گا جو شرعاً حجت ہے۔“

یہ استفاضۂ محدثہ وہ استفاضۂ فقیہہ حدیثیہ نہیں جس پر آپ حضرات کو بھی اب تک اتفاق تھا۔

پیش نظر ایک فتوے میں یہ عبارت درج ہے: ”مقامی طور پر مطلع ابر آلود ہو تو قرب وجوار کے مقامات میں جہاں تک مطلع ایک ہو وہاں ایک جم غفیر نے چاند دیکھا ہو یا مختلف مقامات پر کثیر مجمع اور یہ خبر حد تواتر کو پہنچ چکی ہو یعنی اس کی خبر اس قدر عام ہو جائے کہ اس کا کذب محال ہو تو اس کو فقہ کی اصطلاح میں خبر مستفیض کہتے ہیں“.

سیمینار میں یہ فتویٰ تو شامل کر لیا، فتوے کی یہ عبارت دیکھ کر بتایا جائے کہ کیا نو موبائل کی خبر خبر متواتر ہو سکتی ہے؟ نیز فتوے میں کہا: ”یا مطلع دیگر مقامات پر بھی ابر آلود ہونے کی صورت میں شرعی شہادت کی تکمیل کے بعد کسی ثقہ اور معتبر آدمی نے ٹیلیفون پر اطلاع دی ہو دراں حالیکہ اس کی آواز پہچانی جاتی ہو تو اس کی صحت و تصدیق کے بعد ایسی اطلاع کو قبول کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔“ اس دعوے پر البحر الرائق کا جزئیہ پیش کیا، ظاہر ہے کہ یہ صورت صاحب بحر الرائق کے زمانے میں نہ تھی کہ دور دراز سے گھر بیٹھے آدمی خبر دے دے اور اس کی خبر کا تحقق ہو جائے یہ صورت مستحدثہ ہے خاص اس صورت کا جزئیہ فتویٰ میں پیش نہ کیا اور مطلق تحقق کو اس پر منطبق کر دیا حالانکہ تحقق کا یہ دستور نہ آج کا ہے، نہ کل یہ دستور تھا۔ فتوے کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے: ”مقامی رویت ہلال کمیٹی مذکورہ بالا تمام امور کو پیش نظر رکھ کر اعلان کرے اور اس

اعلان کی اطلاع ریڈیو، یا ٹی وی وغیرہ سے نشر کی جائے تو اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔‘‘

کیا دور دراز مقامات میں بھی اس اعلان کا اعتبار ہوگا یا اس مقام کے قرب وجوار میں وہ اعلان معتبر ہوگا؟

کتاب القاضی کی بحث اور اعلان رویت کے حدود

کتاب القاضی الی القاضی کے بارے میں سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مندرجہ ذیل تصریح فرمائی:

’’کتاب القاضی الی القاضی ‘‘یعنی قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے (اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سنادے اس کا مضمون بتادے اور خط بند کر کے اس کے سامنے سر بمہر کردے اور اولیٰ یہ کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اسے یاد کرتے رہیں یہ آکر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے سر بمہر خط اس قاضی کو حوالہ کریں یہ زیادہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ خیر اسی قدر کافی ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد دو عورتیں عادل کو خط سپرد کر کے گواہ کرلے اور وہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں) بغیر اسکے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اسکی اور اس کے محکمۂ قضاء کی مہر بھی لگی ہو۔

اعلیٰ حضرت کی تصریح سے صاف ظاہر ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی بالاستقلال حجت شرعیہ نہیں بلکہ شہادت شرعیہ سے مشروط ہے اسی لئے قاضی کا خط بذریعۂ ڈاک یا قاضی کے فرستادہ کے ہاتھ سے دوسرے قاضی کو پہونچے تو ہرگز مقبول نہیں، تو فیکس، ای میل وغیرہ بمنزلہ کتاب القاضی الی القاضی کیسے ہو جائیں گے؟ حالانکہ آپ ہی نے مانا کہ اس کے واجب العمل ہونے کے لئے وہی شرط درکار ہوگی۔ پھر شہادت شرعیہ کی شرط سرے سے کیوں اڑادی؟ اور امام ابو یوسف کا مفتی بہ قول چھوڑ کر ایک روایت غیر مقبولہ جو شافعیہ میں بھی ایک عالم کا منفرد قول ہے مناط اجماع کی فکر میں اختیار کر کے خرقِ اجماع کیوں کیا؟ رویت پر شہادت گزرنا بوجہ دوری متعذر ہی سہی لیکن یہ کب ضروری ہے کہ جس دن کسی جگہ چاند ہو جانے کی وجہ سے روزہ یا عید ہو اسی دن دوسری جگہ بھی ہو جائے اگرچہ نہ چاند دکھائی دے نہ رویت بطریق شرعی ثابت ہو، ہرگز یہ ضروری نہیں تو غیر ضروری کو ضروری فرض کر لینا اور اس حیلے سے مذہب معتمد سے عدول کون سا اصول ہے؟

کتاب القاضی بھی نقل شہادت میں شہادۃ علی الشہادۃ کے مشابہ ہے اس لئے اس کا حکم بھی یہی ہوگا یعنی ضروری ہوگا کہ قاضی کا مکتوب بعد تحقق شروط مطلوبہ گواہان عدول لے کر دوسرے قاضی کے پاس جائیں، ورنہ یہ نقل شہادت نہ ہوگی، یہ سب کچھ قول مفتی بہ پر ہے۔ اب اگر یہ بھی مختار ہے اور اصطخری شافعی وغیرہ کا قول مرجوع بھی، تو یہ صاف تلفیق کی صورت ہے اور جمع بین النقیضین ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس جگہ اپنے فتوے کی نقل درج کریں جو ہم نے مفتی شمشاد احمد برکاتی نزیل لیڈی اسمتھ جنوبی افریقہ کے سوال پر ارقام کروایا۔

نقل سوال مع جواب درج ذیل ہے

بخدمت اقدس، حضور تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری صاحب قبلہ جانشین حضور مفتی اعظم ہند.....اسلام علیکم ورحمۃ

اللہ وبرکاتہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ :

ساؤتھ افریقہ آٹھ صوبوں پر مشتمل خط استواء سے جنوب میں واقع ہے ،اس کا طول البلد ۱۸ درجہ شرقی سے ۳۳درجہ شرقی تک اور عرض البلد ۲۲درجہ جنوب سے ۳۶درجہ جنوبی تک وسیع وعریض ہے۔

اکثر سعودی عرب میں چاند کا اعلان ایک دن پہلے کبھی دودن پہلے ہوجاتاہے ،مشرق وسطیٰ کے ممالک بھی اسے قبول کرلیتے ہیں امریکہ ،افریقہ ویورپ میں ان کے عقیدت مند بھی اسے فوراًمان لیتے ہیں۔ پھر ریڈیو، ٹی وی،انٹرنیٹ وغیرہ پر زور دار اعلان کر کے مسلمانوں کے نمائندہ بن جاتے ہیں ،ملکی اخبارات ومیڈیا بھی ان کے اعلان کے مطابق عید وغیرہ کا اعلان کردیتے ہیں جس کے سبب خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کے لئے کئی دشواریاں پیش آتی ہیں اور یہ خود کئی حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔

کچھ تو وہ ہیں جو وہابیوں کے اعلان پر دانستہ یانا دانستہ رمضان وعید کرلیتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جوان کے اعلان پر عید نہیں کرتے ،مگر دیوبندی جمیعۃالعلماء کے اعلان پر عید کر لیتے ہیں۔ تیسرے وہ سنی افراد ہیں جو صرف اپنے شہر کے علماء کے اعلان پر عید کرتے ہیں ان کی عید کبھی کبھی سعودیوں کی عید سے دودن بعد اور ملک میں عام لوگوں کی عید سے ایک دن بعد ہوتی ہے۔اہل سنت کے اس انتشار وتقسیم سے جماعتی سطح پر ہمارا بڑانقصان ہوتاہے۔

دوسری دشواری ،سنی ملازمین وطلبہ کو چھٹی لینے میں ہوتی ہے ،کیوں کہ ملک کا میڈیا ایک دن پہلے عید کا اعلان کرچکا ہوتاہے اس لئے وہ ان کی باتوں پر یقین نہیں کرتے یا یہ لوگ ان کو قاعدے سے سمجھا نہیں پاتے کہ ہماری عید ایک دن بعد کیوں ہے۔

تیسری دشواری ائمہ وعلماء کو ہوتی ہے کہ ان کی عوام ان کی بات نہیں مانتی ،بلکہ کبھی کبھی خود مساجد کی کمیٹیاں بھی ائمہ کی اطاعت نہیں کرتیں اور وہ از خود اپنی مسجد میں اعلان کردیتی ہیں ۔

چونکہ ہر سال یا اکثر رمضان ،عید الفطر ،عید الاضحیٰ کے موقع پر پورے ملک میں انتہائی سورش اور جھگڑا لڑائی ہوجایا کرتی ہے حتیٰ کہ عوام ،علما کے قابو میں نہیں رہتی ،روزہ الگ چھوڑتی اور توڑتی ہیں ،عید کی نماز تک قبل از وقت پڑھ لیتی ہیں ۔عوام کے ایمان کی سلامتی کے لئے کیوں نہ پورے ملک کی رویت ہلال کمیٹی تشکیل دی جائے اور کم از کم اپنے اہلسنت متحد رہیں،وہابی اور دیوبندی کی اقتدا نہ کریں۔

اس صورت حال کے پیش نظر حسب ذیل سوالات دریافت طلب ہیں:

سوال نمبر(۱) پورے ملک کے اہل سنت کے علماء کے اتفاق سے کسی ایک سنی عالم کو پورے ملک کا چیئر مین (حاکم) بنایا جائے اور اس سنی صحیح العقیدہ عالم دین کی تحقیق رویت ہلال کے بعد اس کے شرعی اعلان پر پورے ملک کے اہلسنت رمضان وعید وغیرہ کریں۔ تو سنی علما کے وفاق سے ایک سنی صحیح العقیدہ عالم دین کو پورے ملک کا چیئر مین بنانا اور اس کے اعلان شرعی پر پورے ملک کے مسلمانوں کا عمل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟زید کا کہنا ہے کہ پورے ملک کا ایک حاکم مقرر کرنا درست اور صحیح ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاویٰ رضویہ میں حدیقہ ندیہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں : ”

اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الیٰ العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولا ۃ فاذا عسر جمعھم علیٰ واحد استقلّ کل قطر باتباع علمائہ فان

كثروا فالمتبع اعلمهم فان استور وااقرع بينهم"(ج۴،ص۵۴۹،مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

ترجمہ: جب زمانہ ایسے سلطان سے خالی ہو جو معاملات شرعیہ میں کفایت کر سکے تو شرعی سب کام علماء کے سپرد ہوں گے اور مسلمانوں پر لازم ہو گا کہ اپنے ہر معاملۂ شرعی میں ان کی طرف رجوع کریں وہ علماء ہی قاضی و حاکم سمجھے جائیں گے۔ پھر اگر سب مسلمانوں کا ایک عالم پر اتفاق مشکل ہو تو ہر ضلع کے لوگ اپنے علما کا اتباع کریں اگر ضلع میں زیادہ عالم ہوں تو جو سب میں زیادہ احکام شریعت کا علم رکھتا ہو اس کی پیروی ہو گی اور اگر علم میں برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈالیں۔"

امام اہلسنت سے منقول اس جزئیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ملک کے تمام ضلع کے لوگ کسی ایک عالم پر متفق ہو جائیں تو مسلمانوں پر لازم ہو گا کہ اپنے ہر معاملۂ شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کریں۔ وہی عالم، قاضی وحاکم اور سلطان اسلام سمجھا جائے گا اور شرعی سب کام اسی کے سپرد ہوں گے۔ اس سے پورے ملک کا ایک قاضی وحاکم بنانے کا جواز نکلتا ہے۔

اسی طرح پورے ملک کی مرکزی رویت ہلال کمیٹی بنانے کے جواز کے قائل حضرت مولانا مفتی وقارالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے بلکہ وہ ایک زمانہ میں پاکستان کی مرکزی رویت ہلال کمیٹی میں شامل بھی رہ چکے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ: "مرکزی رویت ہلال کمیٹی شرعی طور پر شہادت لے کر جب اعلان کر دیگی تو وہ اعلان پورے ملک کے لئے ہو گا۔"(وقار الفتاویٰ، ج۲، کتاب الصوم، ص۴۲۰)

سوال نمبر (۲) مرکزی رویت ہلال کمیٹی یا اس کا چیئرمین، ثبوت شرعی فراہم ہونے کے بعد پورے ملک میں ٹیلیفون، فیکس، انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ اعلان کرے تو اس کا یہ اعلان معتبر ہو گا یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ فقہانے جو تصریح فرمائی کہ ٹیلیفون، خطوط، اخبار اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ رویت ہلال کی خبریں غیر معتبر ہیں، بلاشبہ یہ حق ہے کیوں کہ وہ اپنے طور پر اس طرح کی خبریں شائع کرتے رہتے ہیں نہ وہ اعلان، شرعی تحقیق کے بعد ہوتا ہے نہ حاکم شرع کے حکم سے، اس لئے ایسا اعلان معتبر نہیں، لیکن اگر وہ اعلان حاکم شرع کے حکم سے ہو تو اس کے احکام اس سے مختلف ہونگے۔

کیا یہ بات مسلم نہیں کہ قاضیٔ شرع کے حکم سے اعلان رویت کے لئے جو توپ داغی جاتی ہے، وہ معتبر ہے لیکن سلطان اسلام یا قاضی شرع کے حکم کے بغیر کوئی شخص از خود انیتس ۲۹ رمضان کو ہلال عید کے اعلان کے لئے توپ چھوڑ دے تو کیا اس کا اعتبار ہو گا؟ ہر گز نہیں، یا کوئی ایک شخص چاند دیکھ کر حاکم شرع کے فیصلے سے پہلے ہی یا اس کے حکم کے بغیر پورے شہر میں اعلان کرتا پھرے کہ کل عید ہے۔ ہر گز معتبر نہیں ہو گا۔ لیکن سلطان اسلام یا قاضی کے فیصلہ کے بعد اعلان کرے تو معتبر ہو گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص از خود پرچہ لکھ کر پورے شہر میں تقسیم کرے کہ کل عید ہے۔ معتبر نہیں، کیوں کہ خطوط سے رویت کا ثبوت نہیں ہو گا، لیکن اگر یہی خط یا پرچہ ثبوت شرعی کے بعد سلطان یا قاضی کے حکم سے لکھ کر شہر میں تقسیم کیا جائے تو معتبر ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ میں جب رویت ثابت ہو جاتی تو خود پرچہ لکھ کر شہر میں تقسیم کراتے۔(فتاویٰ رضویہ ج چہارم، ص۵۳۲)

اگر باب رویت میں خطوط کا مطلقاً اعتبار نہ ہوتا تو کیوں پرچے لکھ کر تقسیم کئے جاتے؟ کیوں کہ یہ شبہ وہاں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ پرچہ سیدی اعلیٰ حضرت کی طرف سے نہ ہو، کسی اور نے ان کے نام سے لکھ کر تقسیم کیا ہو جیسا کہ فقہاء نے تصریح فرمائی۔ **الخط يشبه الخط فلم يحصل العلم** (الاشباہ والنظائر) خط خط

کے مشابہ ہوتا ہے، لہٰذا اس سے علم حاصل نہ ہوگا، ظاہر ہے یہ خطوط قاضی کی قضا سے پہلے حکم قضا صادر کرنے کے سلسلے میں معتبر نہیں نہ کہ فیصلہ صادر ہونے کے بعد اعلان کے لئے، ورنہ کیسے سیدی اعلیٰ حضرت اعلان رویت کے خطوط تقسیم کراتے اور اس کا اعتبار کرتے۔

فتاویٰ رضویہ شریف جلد چہارم میں ہے: **"لا یقضی القاضی بذالک عند المنازعة لان الخط ممایُزَوَّرُ ویُفْتَعَلُ"** (ردالمحتار)

قاضی جھگڑے کے وقت اس پر فیصلہ نہ کرے کیوں کہ خط میں کسی کی طرف جھوٹ منسوب کیا جاسکتا ہے اور بنا لیا جاتا ہے۔ لہٰذا اب اگر رویت ہلال کمیٹی کا چیئر مین (حاکم) ثبوت رویت کے بعد اپنی تحریر، ثبوت رویت کے اعلان کے لئے پورے ملک میں جو اس کے دائرۂ عمل اور حدود قضا میں ہے تقسیم وار سال کرے یا فون و فیکس وای میل کرے تو اس کا اعتبار کیوں نہ ہوگا؟

سوال نمبر (۳) اگر کسی عالم کا ایک شہر میں ٹیلیفون اور پرچہ وغیرہ تقسیم کرکے اعلان کرنا ثبوت رویت کے بعد معتبر ہے تو دیگر بلاد میں کیوں نہ معتبر ہوگا جبکہ وہ دیگر بلاد بھی اس حاکم شرع کے دائرہ عمل اور حدود قضا کے اندر ہوں اور اتنی دوری پر ہوں کہ شک و شبہ کی صورت میں کار، یا ہیلی کاپٹر وغیرہ کے ذریعہ جاکر تصدیق کرسکتے ہوں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: شمشاد احمد مصباحی

خادم تدریس و افتا، دار العلوم قادریہ غریب نواز،

لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: زید کا قول صحیح ہے۔ پورے ملک کا ایک حاکم ہوسکتا ہے۔ یونہی قاضی القضاۃ بھی مقرر کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ملک کے سب سے بڑے حاکم یا قاضی القضاہ کے دیگر بلاد اور مقامات میں اس کے نُوّاب، امراء اور نائب قاضی نہ ہوں اور حاکم یا قاضی کا حکم یونہی تمام بلاد کے عوام پہنچ جائے بلکہ ہر زمانہ کا یہ دستور رہا اور اب تک یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حاکم اسلام کے ہر ہر جگہ نُوّاب اور اس کے مقرر کردہ قاضی ہوتے ہیں جن کو اس کا حکم پہنچتا ہے اور ہر جگہ کا والی اور قاضی اس کے حکم کو عوام پر نافذ کرتا ہے، جس طرح تمام ملک کا ایک حاکم یا قاضی مقرر کرنا ممکن اسی طرح "مرکزی رویت ہلال کمیٹی"، بھی قائم کی جاسکتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ملک کے اور شہروں میں اصلاً رویت ہلال کمیٹیاں نہ ہوں اور عوام از خود ایک ہی اعلان پر ہر شہر میں عمل کرلیں اور جب یہ امر اپنی جگہ مسلم ہے کہ سب سے بڑے حاکم کے ماتحت اور بلاد میں احکام اور سب سے بڑے قاضی کے تحت اور بلاد میں قضاۃ ہوتے ہیں تو امور قضاء ہر ہر شہر میں ان قضاۃ کو مفوض ہوں گے اور وہی سب سے بڑے حاکم یا قاضی، شروط قضا کے متحقق ہونے کے بعد عوام پر نافذ کریں گے اور شروط قضا متحقق نہ ہوں تو ان نائبین کے نزدیک اس کا حکم متحقق اور قابل عمل ہی نہ ہوگا چہ جا ئیکہ اس کو وہ عوام پر نافذ کریں۔

عالمگیری میں ہے: **"ذکر فی کتاب الاقضیة ان کتب الخلیفة الیٰ قضاته اذا کان الکتاب فی الحکم بشهادة شاهدین شهداعند بمنزلة کتاب القاضی لا یقبل الابالشرائط التی ذکرناها وامّا کتابه انّه ولّی فلانا اوعزل فلانا فیقبل عنه بدون تلک الشرائط ویعمل به المکتوب الیه اذاوقع فی قبله انه حق ویمضی علیه"** (ج ۳، ص ۳۹۶)

ہمارے جزئیہ سے دستور مذکورہ کا ثبوت بہم پہنچا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان اسلام کا حکم نامہ دوسرے شہر میں کسی قاضی کے لئے کچھ شرائط پر قابل عمل ہوتا ہے اور کس صورت میں کتاب القاضی الی القاضی کے درجہ میں ہوگا یہ بھی ظاہر ہوا

پھر مخفی نہ رہے کہ کتاب القاضی الی القاضی یہ تصریح ہے کہ اس کا ثبوت اجماع سے بر خلاف قیاس ہے۔

اسی ہندیہ میں ہے: "یجب ان یعلم ان کتاب القاضی الی القاضی صار حجة شر عافی المعاملات بخلاف القیاس لان الکتاب قد یُفتعل ویُزَوَّر والخط والخاتم یشبه الخاتم ولٰکن جعلنا ہ حجة بالاجماع ولٰکن انما یقبله القاضی المکتوب الیه عند وجود شرائطه ومن حملة الشرائط البینة حتیٰ ان القاضی المکتوب الیه لا یقبل کتاب القاضی مالم یثبت با لبینة انه کتاب القاضی۔" (ہندیہ، ج۳، ص۳۸۱)

یہی وجہ ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی بشرط شہادت شرعیہ و تحقق دیگر شرائط مقبول ہے مگر رسول قاضی مقبول نہیں۔اس جگہ اس امر کا خاص جزئیہ نقل کرنے کے بجائے مناسب سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ سے ایک تنبیہ ضرور نقل کردوں جو فوائد مہمہ پر مشتمل ہے جس سے فیکس وغیرہ کو کتاب القاضی پر قیاس کرنے کا حال بھی کھلے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تنبیہ چہارم۔علما تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر میں بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضی شرع سے خاص جسے سلطان نے فصل مقدمات پر والی فرمایا ہو یہاں تک کہ حکم کا خط مقبول نہیں ۔درمختار میں ہے: "القاضی یکتب الی القاضی وھو نقل الشھادة حقیقة ولا یقبل من حکم بل من قاض مُولّی قِبَل الامام ۔الخ" ملتقط۔فتح میں ہے: "ھذا النقل بمنزلة القضاء ولھذا لا یصح الا من القاضی" غیر قضاۃ تو یہیں سے الگ ہوئے ،رہے قاضی تو ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامۂ قاضی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بر خلاف قیاس اس کی اجازت پر اجماع فرمالیا ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی انہیں وجوہ سے جو اوپر گزریں مقبول نہ ہو ،اور پر ظاہر ہے کہ جو حکم خلاف قیاس مانا جاتا ہے مورد سے آگے تجاوز نہیں کر سکتا،اور دوسری جگہ اس کا اجرا محض باطل وفاحش خطا، پھر حکم قبول حد سے گزر کرتار تک پہنچنا کیوں کر روا؟ائمۂ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ: اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود ہی آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں ہر گز نہ سنیں گے کہ اجماع تو صرف دو مارۂ خط منعقد ہوا ہے پیام ایلچی وخود بیان قاضی اس سے جدا ہے،امام علامہ محقق علی الاطلاق "شرح ہدایہ" میں فرماتے ہیں: "الفرق بین رسول القاضی و کتابه حیث یقبل کتابه ولا یقبل رسوله فلاانّ غایة رسوله ان یکون کنفسه وقدّ منا انّه لو ذکر مافی کتابه لذلک القاضی بنفسه لا یقبله وکان القیاس فی کتابه کذالک الا انّه اجیز باجماع التابعین علیٰ خلاف القیاس فاقتصر علیه" (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۲۵۔۵۲۶)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ کتاب القاضی کا ثبوت بالاجماع بر خلاف قیاس ہے اور جو چیز خلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر مقتصر رہے گی۔اس پر قیاس جائز نہیں جیسا کہ سطور بالا میں مفصلاً گزرا اور فتح القدیر سے اس کا جزئیہ بھی منقول ہوا "فتح القدیر" کے مندرجہ بالا جزئیہ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اسی فتح القدیر کا وہ جزئیہ کثیف پردے کے پیچھے چھپے ہوئے کسی شخص کی آواز سن کر گواہی دینے سے متعلق ہے جس کی عبارت یوں ہے: "ولو سمع من وراء حجاب کثیف لا یشف من وراء لا یجوز له ان یشھد ولو شھد وفسره للقاضی بان قال سمعته باع ولم ار شخصه حین تکلم لا یقبله لان النغمة تشبه النغمة الا اذا احاط بعلم ذالک لان المسوغ ھو العلم غیر ان رویته متکلماً بالعقد طریق العلم به فاذا فرض تحقق طریق آخر جاز" (فتح القدیر ج۶، ص۴۶۳)

وہ اس صورت سے متعلق نہیں ،تو جزئیہ پر منطبق ہی نہیں،اس سے قطع نظر کہ کتاب القاضی کا ثبوت بر خلاف قیاس ہے ،اس فتاویٰ رضویہ سے فتح القدیر کے اس جزئیہ کے مضمون

سے متعلق ائمہ کا یہ فیصلہ بھی سن لیجئے جو یوں اسی فتاویٰ رضویہ میں منقول ہوا: تبیین الحقائق پھر فتاویٰ عالمگیری میں ہے :"ولو سمع من رواء الحجاب لا یسعه ان یشهد لا حتمال ان یکون غیره اذا النغمة تشبه النغمة الا اذا کان فی الداخل وحده ودخل وعلم الشاهد انه لیس فیه غیره ثم جلس علیٰ السلک ولیس له مسلک غیره فسمع اقرار الداخل ولا یراه لانه یحصل به العلم وینبغی للقاضی ان فسر لهٗ ان لا یقبله "(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۲۹)

اور اگر فتح القدیر کا جزئیہ مذکورہ سے بوجہ استثناء مذکور بعلت احاطۂ علم ٹیلیفون کی خبر کو معتبر ہونا مقصود ہے تو بھی یہ جزئیہ اس صورت پر منطبق نہیں کما ھو ظاہر اور اس کا مختلف فیہ ہونا تبیین الحقائق اور عالمگیری کے جزئیہ سے منقولہ آشکار ہے اسی فتاویٰ رضویہ میں دوبارۂ ٹیلیفون فرمایا:"ٹیلیفون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں، اگرچہ آواز پہچانی جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے۔ اگر وہ کوئی شہادت دے معتبر نہ ہوگی اور اگر کسی بات کا اقرار کرے تو سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں، ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دوبدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو اور ٹیلیفون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دور سے آواز پہنچنا دشوار تھا تو اس صورت میں اس کی بات جس حد تک شرعاً معتبر ہوتی اب بھی معتبر ہوگی مثلاً خود اپنی رویت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ مقبول الشہادۃ ہے "(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۲۸۔۵۲۹)

جہاں تک سائل فاضل نے فیکس، ٹیلیفون وغیرہ کے متعلق ذکر کیا ان میں سے اکثر باتوں کا جواب روشن اور بعض باقی کا جواب اسی سے ظاہر، رہا سائل فاضل نے پرچے کو جو ذکر کیا اس کے متعلق خود فتاویٰ رضویہ کے یہ کلمات دیکھیں، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب مع سوال اس جگہ مرقوم ہوتا ہے:

"سوال حضرت مولانا.....السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! معروض خدمت شریف ہے کہ جناب والا کا ایک مختصر سا پرچہ جس پر جناب کی مہر لگی ہوئی ہے اور ایک سطر میں یہ عبارت مرقوم ہے (میرے سامنے شہادتیں گزر گئیں کل جمعہ کو عید ہے) خاکسار کو موصول ہوا اس کے متعلق فتویٰ شرعی دریافت طلب ہے کہ جس جس جگہ یہ پرچہ پہونچے تو وہاں کے لوگوں کو جمعہ کو عید کرنا لازم تھی یا نہیں؟ اور روزے توڑ دینا ضرور تھے یا نہیں؟ اور اس کی عام تشہیر اور سیگر بلاد میں اشاعت سے کیا مفاد تھا؟ بینوا توجروا

الجواب: وہ پرچے دیگر بلاد میں نہ بھیجے گئے، تقسیم کرنے والوں نے اسٹیشن پر بھی دیئے، ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا، بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہا اور ان کو جواب دے دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا اور بلاد بعیدہ کو کیوں کر بھیجے جاتے (جلد چہارم ص ۵۳۲) واللہ تعالیٰ اعلم"

یہیں سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ پرچے شہر اور قرب وجوار شہر ہی کے لئے تھے، شہر سے قریب دوسرے شہر کے لئے بھی معتبر نہیں ہیں، یہی جواب توپ پر قیاس کا ہے کہ توپ کا اعتبار بعد تحقق رویت والی شہر کے حکم سے محض شہر اور حوالی شہر تک محدود رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ قاله بفمه وامر برقمه۔

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہٗ

اس جواب میں اجمالی طور پر کتاب القاضی الی القاضی ٹیلیفون وغیرہ سب پر گفتگو ہو چکی اعلان کے متعلق اتنا اور کہنا ہے، غالباً کتب مذہب میں اس کی صراحت نہیں ملتی کہ سلطان

اسلام یا قاضی القضاۃ کا اعلان سارے جہاں کے لئے کافی ہے۔توپ وغیرہ امارت ظاہرہ پر قیاس کا جواب گزرا فتح الباری تحفۃ المحتاج وغیرہ کتب شافعیہ اپنے مذہب کی کتب نہیں،اور انہوں نے جو استثناء بایں الفاظ ذکر کیا"**الا ان یثبت عند الامام الاعظم فیلزم الناس کلھم لان البلاد فی حقه کا لبلد الواحد**"اس میں وجہ الزام مفسر نہ ہوئی کہ کس طریقے سے وہ سب کولازم کریگا،براہ راست،اگر براہ راست توکس ذریعے سے اور وہ ذریعہ مبداسے منتہٰی تک اس کے قبضے میں ہوگا اور اس پورے سلسلے میں اسے اپنے قبضے میں رکھنے کا وہ کیا بندوبست کریگا؟اور اگر بطریق نواب وولاۃ وامراء،توکونسی شروط ملحوظ ہوں گی؟

اس سے قطع نظر ریڈیو وغیرہ سے ایسا اعلان عام اس ملک میں متصور نہیں اس کی بحث اس جگہ بے فائدہ ہے شرع کا قاعدہ ہے "**الا مور بمقاصدھا**"لہٰذا اگر ریڈیو وغیرہ سے اعلان عام کے معتبر ہونے کی ان بلاد میں یہ تمہید ہے تو یہ امر سخت ہولناک وشدید ہے۔ہمارے پاس عالمگیری کا نسخہ جو نسخہ ہے اس کی عبارت یوں ہے"**ذکر فی کتاب الاقضیۃ ان کتب الخلیفۃ الیٰ قضاته اذا کان الکتاب فی الحکم بشھادۃ شاھدین شھدا عندہ بمنزلۃ کتاب القاضی الی القاضی لا یقبل الا بالشرائط التی ذکر ناھا۔الخ**"اس میں "**ان کتب الخلیفۃ الی قضاته** "کے بعد "**ففیه تفصیل**"نہیں ہے جو بریکٹ میں درج ہے،بریکٹ میں درج ہونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اسے ناقل نے ایہام پیدا کرنے والے انداز میں اصل عبارت میں رکھ دیا۔کیونکہ بسا اوقات کتابوں میں مصنف کے اصل کلمات بھی بریکٹ میں آجاتے ہیں۔اب اگر کسی نسخہ میں وہ لفظ ہے جو بریکٹ میں درج ہوا تو تصحیح نقل کی جائے اور اگر نہیں تو یہ اضافہ اصل عبارت سے متصل اس ایہام کے ساتھ نہ ہونا چاہیے تھا بلکہ اس سے پہلے کوئی لفظ لاتے جو صاف تغیر وتصرف کا پتہ دیتا اور اس سے یہ ایہام زائل ہوتا کہ "**ففیه تفصیل**"اصل عبارتِ مصنف ہے،اور یہ ایہام پیشگی ہی زائل کردیتے۔

جو دستور،قدیم سے سلاطین اسلام میں رہا اس پر ہم نے اپنے فتویٰ میں روشنی ڈالی اور عالمگیری کا جزئیہ پیش کیا ہمارے جزئیہ سے دستور مذکور کا ثبوت بہم پہونچا،اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان اسلام کا حکم نامہ دوسرے شہر میں کسی قاضی کے لئے کچھ شرائط پر قابل عمل ہوتا ہے اور وہ کس صورت میں کتاب القاضی الی القاضی کے درجے میں ہوگا جزئیہ مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفۃ المسلمین اطلاع حکمی بلاد مختلفہ میں اپنے قضاۃ کو دیتا تھا اور اسکی اطلاع حکمی میں وہ شروط قدیم سے ملحوظ ہیں اور انہیں شروط پر اس کا حکم نامہ یا اطلاع حکمی معمول ومقبول ہوا۔

اعلان کا نیا طریقہ جس کا رواج ہوا چاہتا ہے اور جس پر ایک طریقہ غامضہ سے اپنے زعم میں دلالت قائم کرنا چاہی اس جزئیے سے آشکارا نہیں۔مانع کو اسی قدر کافی بلکہ جو اس سے صاف ظاہر ہے وہ ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا اور ظاہر سے عدول بے دلیل نامقبول پھر مانع تو مانع لزوم ہے اور وہ ہم ہیں نہ کہ مدعی۔اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جزئیہ مذکورہ کسی طرح اس اعلان مزعوم پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ حکم اگر پہلے سے ثابت ہو تو قاضی کے پاس اعلان حکم بھیجنے کے لئے وہ شرط ضروری نہیں جو کتاب القاضی الی القاضی میں درکار ہے،پھر بھی خلیفۃ المسلمین کے مقررہ قاضیوں کے نزدیک ثبوت حکم کے لئے وہی شرط درکار ہوگی جو اس جزئیہ میں مذکور ہے تو اس سے مفر کدھر اور حکم اور اعلان کا تفرقہ کیا مفید؟

سطور بالا میں طریقہ غامضہ کا ذکر گزرا اسکی وضاحت کے لئے پیش نظر مقالہ کی عبارت درج کرنا ناگزیر ہے۔مقالہ نگار جزئیہ مذکورہ کی توجیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:"اس

عبارت میں پہلی شرط (ان کتب الخلیفة) کی جزا محذوف ہے ۔چاہیں تو وہ جزا (ففیہ تفصیل) مانیں یا (فھو علیٰ نوعین) اور دوسری شرط (اذا کان الکتاب فی الحکم۔الخ) کی جزا (لا یقبل الا بالشراط التی ذکر ناھا) ہے۔''

یہ شرط دو قیدوں کے ساتھ مقید ہے (۱) فی الحکم بشھادۃ شاھدین شھدا عندہ۔(۲) بمنزلة کتاب القاضی الی القاضی ۔جب یہ شرط ان دونوں ضروری قیود کے ساتھ پائی جائیگی تب اس پر لا یقبل الا بالشرائط کا حکم جاری ہوگا ۔اور اگر کوئی بھی ایک قید مرتفع ہوئی تو شرط کا تحقق نہ ہوگا، لہٰذا اس پر لا یقبل الابالشرائط کا حکم بھی جاری نہ ہوگا۔ کہ اذا فات الشرط فات المشروط تسلیم شدہ ضابطہ ہے۔اب اگر خلیفہ کا خط بمنزلہ کتاب القاضی الی القاضی نہ ہو کہ اس سے مقصود اثبات حکم ہو (خواہ بذریعہ نقل شہادت، یا نقل حکم) بلکہ ثابت شدہ حکم کے اعلان کے لیے ہو تو وہاں کتاب لا قاضی کے شرائط کالحاظ ضروری نہ ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت ''فی الحکم بشھادۃ شاھدین ''کا مفہوم ہے ''دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کے بارے میں۔''اس کو یہ لازم نہیں کہ خلیفہ نے فیصلہ صادر کردیا ،بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ نے ''فیصلہ کے بارے میں ''شہادت لی اور اس کی بنا پر فیصلہ صادر کرنے کے لئے اپنے خط کے ذریعہ نقل شہادت کیا،اس طور پر یہ خط خلیفہ کے کئے ہوئے فیصلے سے متعلق نہ ہوا۔ایسے خط کو فقہا کتاب حکمی کہتے ہیں۔مانع کے لئے اسی قدر کافی ہے انتہیٰ کلامہ۔

ہم نے پہلے ہی بانداز سوال عرض کردیا کہ اعلان و حکم کا تفرقہ کچھ مفید نہیں اور اعلان ، تحقیق حکم پر موقوف اور قاضیوں کے نزدیک خلیفہ کے حکم کا تحقق اسی طریقے پر موقوف جو ہمارے منقولہ جزئیہ میں مذکور ہوا۔اور مقالہ میں درج صورت دیگر، مقالہ نگار کا اپنا استخراج ہے جو جزئیہ سے ظاہر نہیں۔

مقالہ نگار آگے لکھتے ہیں: ''اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ خلیفہ نے اپنا فیصلہ لکھ کر بھیجا تو بھی وہ بمنزلہ کتاب القاضی الی القاضی کی قید سے مقید ہے، یہ کہاں ہے کہ اعلان کے لئے بھیجا جس سے اعلان کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جائے''جی ہاں! تسلیم نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ حالانکہ اس جزئیہ سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ نے اپنا فیصلہ اپنے قضاۃ کو لکھ کر بھیجا۔اس طرح اس نے اپنے فیصلے کی اطلاع اصالۃً ان قضاۃ دی۔اور یہ باعتراف مقالہ نگار کتاب القاضی الی القاضی کی قید سے مقید ہے تو ثابت ہوا کہ خلیفہ کے فیصلے کی اطلاع بلاد بعیدہ میں اس کے قضاۃ کو اسی طریقہ پر ہوتی رہی۔اب ہم سے یہ کیا سوال ہے کہ یہ کہاں ہے کہ اطلاع کے لئے بھیجا جس سے اعلان کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جائے ۔مفہوم کتاب فی الحکم دونوں پر صادق ،خواہ وہ کتاب القاضی تنفیذ حکم کے لئے بھیجی جائے یا پہلے سے ثابت شدہ حکم کے اعلان کے لئے کہ حکم دونوں صورتوں میں ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ پہلے سے ثابت شدہ حکم اگر خلیفہ لکھ کر اعلان کے لئے بھیجے تو اس وجہ سے اس کا خط کتاب فی الحکم کا مصداق ہونے سے کیسے نکل جائے گا اور وہ بمنزلہ کتاب القاضی کیوں نہ ہوگا؟ حالانکہ کتاب القاضی دوسرے قاضی کو برعایت شرائط حکم پر مطلع کرنے اور اسے نافذ کرنے کے لئے بھی بھیجی جاتی ہے۔اور جب کتاب فی الحکم کا مفہوم تنفیذ و اعلان دونوں کو شامل تو قطعاً ضروری کہ عالمگیری کے جزئیہ میں مذکور قید ''بشھادۃ شاھدین شھدا عندہ''کتاب فی الحکم کے مفہوم عام سے متعلق ہو جس کا لازمی معنی یہ ہے کہ شرائط کتاب القاضی کا لحاظ دونوں صورتوں میں لازم ہے۔اب جزئیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر خلیفہ نے اپنے قضاۃ کو کوئی خط لکھا تو اگر وہ خط دربارۂ حکم

ہو (خواہ تنفیذ کے لئے ہو یا اعلان کے لئے) جسے خلیفہ نے گواہوں کی موجودگی میں جو اس کے نزدیک حاضر تھے بطور کتاب القاضی الی القاضی لکھا ہو تو انہیں شرائط پر مقبول ہو گا جو ہم نے ذکر کیں۔

عالمگیری کے جزیئے کے جواب میں مقالہ نگار نے درج ذیل عبارت تحریر کی ''واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ سارے عالم اسلام کا فرمانروائے اعظم ہوتا تھا، اس کی خدمت میں کسی بھی ریاست ، بلکہ کسی بھی ملک کا مقدمہ دائر ہو سکتا تھا، اب اگر اس نے کسی ملک، یا کسی ریاست کے مقدمہ کا فیصلہ کر کے تنفیذ کے لئے اپنے قاضی کو خط لکھا تو خصم کہہ سکتا تھا کہ یہ ''کتاب الخلیفہ'' نہیں ہے ۔بلکہ مدعی نے جعل سازی کی ہے''

اس جواب سے اعلان اور تنفیذ کی تفریق نہ رہی تنفیذ کے لئے کتاب القاضی الی القاضی کی شرط مانی تھی وہ یکسر اٹھ گئی ۔جیسا کہ ظاہر ہے پھر اگلوں نے کتاب القاضی الی القاضی کا اعتبار کیوں کیا اور اس میں وہ شرطیں کیوں رکھیں ۔کیا خود قاضی یا رسولِ قاضی تحقیق کے لئے کافی نہ تھے پھر ان کا اعتبار کیوں نہ کیا۔ بات وہی کہ کتاب القاضی الی القاضی پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہو لیا اور اس میں وہ شروط اجماعی ہمیشہ سے ملحوظ رہیں اب اگر رسول قاضی یا قاضی کو معتبر ٹھہراتے تو اجماع چھوڑتے ۔بھلا ائمہ دین کو باوصف حاجت اس طریقہ معہودہ متفقہ کے خلاف جرأت نہ ہوئی کیا ان جدید ذرائع کو بروئے کار لانا اجماع کو اٹھانا نہیں ؟ اور جب ان میں خود شبہے مانیں تو پھر انہیں ذرائع سے تصدیق وتحقیق چاہنا کیا معنٰی ؟

بعض احباب نے فرمائش کی کہ ٹیلیفون اور موبائل کی خبر کو دربارۂ رویت کافی ماننے والوں نے توپ کی آواز پر بھی قیاس کیا ہے اس سلسلے میں بھی کچھ لکھا جائے ۔(یہاں توپ کی بحث اخیر تک رہے گی۔)

لہٰذا سوال ہے کہ قیاس اسی وقت ہوتا ہے جب مسئلہ حادثہ میں کوئی نص کتاب وسنت سے نہ ملے کیا یہ قیاس پتہ نہیں دے رہا کہ ٹیلیفون کی خبر کو بمنزلہ استفاضہ ماننے والے اپنے دعوے پر کتاب وسنت سے کوئی نص نہیں رکھتے مقیس منصوص نہیں ہوتا، کیا مقیس علیہ بھی کوئی ایسا امر ہے جو بغیر نص خود ثابت ہو جائے۔

اب توپ مقیس علیہ ہے بتایا جائے کہ توپ کا طرق موجبہ سے ہونا کون سی نص پر اعتماد کرتا ہے، کوئی نص بخصوصہ توپ کے بارے میں وارد ہے یا کوئی حکم عام منصوص ہے جس کے تحت توپ کا طرق موجبہ سے ہونا مندرج ہے یا توپ کا اعتبار بر بنائے عرف تھا، بر تقدیر ثالث توپ پر اعتماد کس زمانے کا عرف تھا، کیا وہی عرف اب تک چلا آرہا ہے ؟

اس زمانے کے عرف میں توپ کے معتبر ہونے کی بھی کچھ شرطیں تھیں یا یونہی بلا شرط وہ معتبر تھی، بر تقدیر اول وہ شرطیں کیا تھیں بیان کیا جائے پہلے زمانے میں توپ بعد حکم حاکم داغی جاتی تھی نیز توپ سلطان اور اس کے حکام کے قبضے میں ہوتی تھی ،آج تو توپ کا عرف ہی نہ رہا تو مقیس علیہ ان زمانے میں موجود ہی نہیں پھر آج اس کا عرف منقطع ہو گیا پھر امر غیر موجود اور عرف منقطع پر قیاس کا کیا معنٰی۔

بالفرض اگر توپ چلا کر اعلان کرنے کا عرف ہے تو کیا مطلقاً بلا شرط توپ کا اعتبار ہو گا یا یہ شرط ہو گی کہ پہلے حکم حاکم متحقق ہو یعنی حاکم کے یہاں شہادت شرعیہ رویت ہلال کی گزرے اور وہ بر بنائے شہادت حکم کرے، پھر دوسری شرط یہ کہ حاکم ایسی توپ چلوا کر اعلان کروائے جو اس کے قبضے میں ہو پھر یہ بھی شرط ہے کہ اس توپ کی آواز اس جیسی دوسری توپ کی آواز سے متمیز وجدا ہو کہ پہچانی جائے اور معلوم ہو کہ یہ اسی توپ کی آواز ہے جو حاکم نے چلوائی کیا اس تیسری شرط کا تحقق اس آزاد

اور بے راہ روی کے زمانے میں ممکن ہے؟

بہر حال توپ کا اعتبار مستقل حجت شرعیہ نہیں بلکہ حکم حاکم پر موقوف ہے ٹیلیفون موبائل جن کی خبر کو درجۂ استفاضہ میں مانا جارہا ہے حکم حاکم اس صورت میں اسی استفاضۂ محدثہ پر موقوف ہے۔ اب بتایا جائے کہ مقیس یعنی ٹیلیفون کی خبر کا تحقق اس استفاضے پر موقوف ہے جو غیر منصوص ہے اور مقیس علیہ توپ کی خبر حکم حاکم کے بعد معتبر تو دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں یا نہیں اس طور پر یہ قیاس مع الفارق ہوا یا نہیں؟ ہوا اور ضرور ہوا۔

کیا قیاس کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں علت جامعہ ہو؟ کیا اسی قدر پر قیاس صحیح ہوگا؟ کیا بے ضرورت قیاس کی اجازت ہے؟ نہیں، تو ضرورت کیا ہے بیان کی جائے، نص اگر موجود ہو تو قیاس نہیں ہوتا کہ نص سے حکم خود ہی ثابت۔ حضرات نے قیاس کے پردے میں کیا یہ نہ مان لیا کہ اپنے دعوے پر کوئی نص نہیں رکھتے؟ صحت قیاس کے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ موانع قیاس مرتفع ہوں؟ ظاہر ہے کہ ماوشما اہلیت اجتہاد نہیں رکھتے، ہمارے لئے تصریحات ائمۂ مذہب بمنزلۂ نصوص شرع ہیں، ہمیں انہیں پر بحکم تقلید عمل لازم۔

اب بتایا جائے کہ ٹیلیفون کی خبر محض بلا دلیل بر خلاف تصریحات فقہا حجت شرعیہ واستفاضہ تو ٹھہرا دی، جب دیکھا کہ دعوے پر کوئی نص نہیں تو اعلیٰ حضرت کے فتوے کا سہارا لیا اور توپ کی آواز پر قیاس فرمایا، اس قیاس کا حال خود اعلیٰ حضرت کے کلمات سے ادنیٰ متأمل کو کھل جائے گا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: طریق ہفتم: علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے توپیں سننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائل ثبوت ہلال سے گنا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط مشروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکم شرح معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالت ثبوت شرعی رویت ہلال ہوا کرتے ہوں کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اصلاً احتمال نہ ہو ورنہ شہر اگرچہ اسلامی ہو مگر وہاں احکام شرعیہ کی قدر نہیں احکام جہاں بے خرد یا نیچری رافضی وغیرہم بدمذہبوں کے حوالے ہیں جنہیں نہ قواعد شرعیہ معلوم نہ ان کے اتباع کی پرواہ، اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگا دیا، توپیں چل گئیں، تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابل لحاظ ہو سکتی ہیں کما لا یخفی، پھر جہاں کی توپیں شرعاً قابل اعتماد ہوں ان پر عمل اہل دیہات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عند التحقیق خاص اس شہر والوں کو بھی ان پر اعتماد سے مفر نہیں کہ حاکم شرع کے حضور شہادتیں گزرنا اس کا ان پر حکم نافذ کرنا ہر شخص کہاں دیکھتا سنتا ہے بحکم حاکم اسلام اعلان عام کے لئے ایسی ہی کوئی علامت معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ۔

اقول: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ایسے اسلامی شہر میں منادی پر بھی عمل ہوگا حتیٰ کہ اس کی عدالت بھی شرط نہیں جبکہ معلوم ہو کہ بے حکم سلطانی ایسا اعلان نہیں ہو سکتا۔ عالمگیریہ میں ہے: **خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا کذا فی جواھر الاخلاطی۔**

قلت والظاهر انه یلزم اهل القری الصوم بسماع المدافع اورؤیة القنادیل من المصر لانه علامة ظاهرة تفید غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل کما صرحوا به، واحتمال کون ذلک عادة فی لیلة الشک الا لثبوت رمضان۔

منحۃ الخالق میں ہے: **لم یذکروا عندنا العمل بالامارات الظاهرة الدالة علی ثبوت الشهر کضرب المدافع فی زماننا والظاهر وجوب العمل بها علی من سمعها ممن کان غائبا عن المصر کاهل القری ونحوها کما یجب العمل بها علی اهل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شهادة الشهود وقد ذکر هذا الفرع الشافعیة فصرح ابن**

حجر فی التحفة انه یثبت بالا مارة الظاهرة الدالة التی لا تخلف عادة کرؤیة القنادیل المعلقة بالمنابر قال و مخالفة جمع فی ذالک غیر صحیحة ۔(فتاویٰ رضویہ ج۱۰،ص۴۲۰۔۴۲۱)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے توپ کی آواز کو بعد تحقق رویت شہر وحوالی شہر کے لئے اعلان کافی مانا ہے یا غیر محدود علاقے کے لئے؟ بر تقدیر اول موبائل کی خبر دوسرے شہر کے لیے کیوں کر حجت شرعیہ ہو سکتی ہے؟ بر تقدیر ثانی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات سے یہ دکھا یا جائے کہ توپ کا اعلان حوالی شہر کے علاوہ جہاں آوازِ توپ نہ پہنچے بھی معتبر ہے۔

قیاس کرنے والے صاحب ذرا یہ بتائیں کہ آپ کے دعوے پر نص تو نہیں ورنہ ضرور اس کو ذکر کرتے ،ان نصوص فقہا و تصریحات ائمہ کا کیا جواب ہے ؟صاحب قیاس کے کسی مقالے میں میں نے یہ نہ پایا کہ انہوں نے اس کا کوئی جواب دیا ہو۔

ایک مکتوب میری نظر سے گزرا جس میں علامہ رحمتی کی عبارت میں استفاضے کی تعریف کو ان کے زمانے کے لحاظ سے بتایا اور بہت ساری دیگار عبارات جن کو ہم نے ذکر کیا ان کو نظر انداز فرمایا۔

ایک اور مقالے میں اپنے طور پر اس شبہے کا ازالہ کہ ٹیلیفون کی خبر در بارۂ رویت معتبر نہیں یوں فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں ٹیلیفون سے اطلاع دینے میں دشواری تھی اب یہ دشواری نہیں بلکہ ٹیلیفون و موبائل سے رابطہ جلد بآسانی ہو جاتا ہے اور 3G موبائل ہو تو ایک دوسرے کو دیکھتا بھی ہوتا ہے یہ مقالے کا حاصل ہے یہاں مقالے کی عبارت درج ہوتی ہے: **ازالۂ شبہ**: پہلی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانہ کو تو سو سال ہو گئے، آج سے تیس پینتیس سال پہلے بھی ٹیلی فون سے خبر کی یہ صورت نہیں تھی جو صورت آج ہے۔اس وقت ٹیلی فون سے بات کرنے کے لئے پہلے مقامی ایکسچنج میں کال بک کرانی پڑتی تھی ،پھر مقامی ایکسچنج دوسرے ایکسچنج سے رابطہ کرتے تھے،اس کے بعد وہ ایکسچنج اس ٹیلیفون سے رابطہ کرنے کے بعد بطرز معکوس ٹیلیفون کرنے والے سے بات کراتے تھے ،جس میں بسا اوقات گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا تھا اور اب ٹیلی فون ہو یا موبائل ان سے بات کرنے کے لئے ان واسطوں کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔آپ جن سے بات کر رہے ہیں ان کا نمبر آپ کی نگاہ میں اور جو آپ سے بات کر رہا ہوتا ہے آپ کا نمبر ان کے سامنے ہوتا ہے بلکہ دونوں جانب تھری جی 3G موبائل ہو تو آپ ان کو اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

خیر ان دونوں نے تو اپنے طور پر تصریحات فقہا کے تدارک کی ناکام کوشش کی صاحب قیاس نے کیا تدارک کیا بیان کیا جائے، نیز بیان کیا جائے کہ مکتوب و مقالے کا بیان بالا انہیں تسلیم ہے یا نہیں ؟ بر تقدیر اول ان پر بھی وہ سوالات ہیں جو مقالے میں مفصل گزرے، بر تقدیر ثانی تدارک کیا ہے بیان ہو اور اس پر دلیل قائم کی جائے ورنہ کیا یہ قیاس تصریحات فقہا کا مساعد ہے یا ان کا رافع و مخالف ہے اور اگر مساعد نہیں اور ضرور نہیں تو محض یہ قیاس بے ضرورت نہیں بلکہ موانع قیاس کی موجودگی میں یہ قیاس ہے ایسا کیونکر قابل اعتبار ہو سکتا ہے؟

For Live Events
(Jalsa. Conferences. Naatia Mushaira)
Contact us…..
Sunni Awaz Radio
Islamic online streaming Radio

www.sunniawaz.com
mail@sunniawaz.com

ماہر درسیات اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی تدریسی خدمات

از: حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی حسنی نوری، گنج قدیم (رامپور)

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے درس وتدریس کا سلسلہ کسی مدرسہ میں مدرس ہو کر یا اپنا ہی مدرسہ قائم کر کے نہیں شروع کیا تھا۔ جبکہ علماء کرام عموماً فراغت کے بعد تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حصول علم کے زمانہ میں ہی درس و تدریس کا کام شروع کر دیا تھا۔ آپ اپنے زمانہ میں مرجع علماء رہے دور دور سے طلبہ آکر مستفیض ہوتے رہے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ آپ کے اس درس کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: اعلیٰ حضرت نے زمانۂ طالب علمی میں طلبہ کو پڑھایا۔ (مولانا، سلامت اللہ لا ھل السنہ)

اس دور میں کن خوش نصیب حضرات نے فاضل بریلوی سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے ذکر سے تاریخ وتذکرے بالکل خاموش ہیں اور اب تک کی تحقیقات رضویہ بھی اس کی کوئی نشان دہی کرتی نظر نہیں آتیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فراغت کے بعد بھی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ خود ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ: فقیر کا درس بحمدہٖ تعالیٰ تیرہ (۱۳) برس، دس (۱۰) مہینے، چار (۴) دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا۔ (الکلمۃ الملھمہ، ص۶)
۔

چند سال سے کیا مراد ہے؟ کتنی مدت درسِ رضا کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کی وضاحت کسی قدر مندرجہ ذیل تصریحات اور تحریرات سے ہوتی ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں: اخیر محرم ۱۳۰۴ھ میں فقیر نے بدایوں مدرسہ طیبہ قادریہ میں خواب دیکھا کہ صحیح بخاری شریف نہایت خوش خط و محشیٰ میرے سامنے ہے۔ اس کے حاشیہ پر غالباً بروایت امام شافعی علیہ الرحمہ یہ حدیث لکھی ہے کہ **الدعاء فی الشمس مرۃ افضل من الدعاء فی الظن سبع عشرۃ مرۃ** (یعنی دھوپ میں ایک بار دعا سائے میں ستر بار کی دعا سے بہتر ہے۔) اس مضمون کی حدیث فقیر کی نظر سے کہیں نہ گزری، حضرت عظیم البرکت مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب قادری دامت برکاتہم سے بھی اس کے متعلق استفسار کیا۔ فرمایا: "میرے خیال میں بھی نہیں۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔ اسی طرح اب کوئی چند مہینے ہوئے اور سید شاہ فضل حسن صاحب پنجابی فقیر سے صحیح بخاری شریف پڑھتے تھے۔ ایک دن فقیر نے اپنے مکان میں خواب دیکھا: "جامع صحیح مطبوع"، مطبع احمدی؛ پیش نظر ہے اور اس میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک عصر موقوف میں کسی موذن کی اذان کا ذکر اور اس پر بحث ہے کہ اس کی اذان مطابق سنت ہے یا نہیں۔ اس پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں **قد سمعہ افقہ بلدنا و اعظمھم علماء ابو حنیفۃ** (یعنی اس کی اذان کیوں کر صحیح نہ ہو حالانکہ اسے سنا ہے ہمارے شہر کے اکمل فقہاء واعظم علماء ابو حنیفہ نے۔) خواب کی باتیں اکثر تاویل طلب ہوتی ہیں تو

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت امام پر زماناً تقدم کچھ مضر نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔(احسن الوعاء لآداب الدعاء مع شرح ذیل المدعا لاحسن الوعاء، ص ۴۰۔) مذکورہ بالا حوالہ سے اتنا واضح ہو گیا کہ امام احمد رضا کا درس وتدریس ۱۳۰۴ھ میں بھی جاری تھا۔

درسی مشاغل کی کثرت:

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ ۱۳۰۶ھ تک درس وتدریس میں اس قدر مشغول ومصروف اور منہمک رہتے تھے کہ تصنیف وتالیف اور فتاویٰ کے لکھنے لکھانے کا وقت بھی بہت کم ملتا تھا۔ عموماً جمعہ کی تعطیل میں فتاویٰ کا کام کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے ۱۳۰۶ھ میں کسی نے مصافحہ کے بارے میں سوال کیا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ جائز ہے یا نہیں ؟اور غیر مقلد لوگ ایک ہی ہاتھ سے کرتے اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو ناجائز وخلاف احادیث جانتے ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط ؟۔

اعلیٰ حضرت نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے جواز اور غیر مقلدین کے دعویٰ کے ابطال میں ایک مستقل رسالہ چالیس صفحوں کا مسمیٰ بنام ''الصفائح اللجین فی التصافح بکف الیدین''تحریر فرمایا۔ اسی میں اپنی درسی مصروفیات اور قلت فرصت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ فقیر غفرلہٗ المولیٰ القدیر سے روزِ جمعہ ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۰۶ھ کو بعد نمازِ جمعہ پوچھا گیا۔ جواب زبانی بیان میں آیا ۔اور ازاں جا کہ آج کل قدر علالت اور **بوجہ مشاغل درس قلت مہلت** تھی۔ خیال کیا کہ جمعہ آئندہ کی تعطیل انشاءاللہ تعالیٰ تحریر جواب کی کفیل ہو گی۔(**فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۲۲، ص ۲۷۰**)

۔

اس تحریر سے یہ بات خوب تر تو مزید واضح ہو گئی کہ ۱۳۰۶ھ تک ''درسِ رضا''کا سلسلہ شباب پر تھا اور مشاغل درس کی کثرت کی وجہ سے قلت مہلت تھی جس کی وجہ سے فتاویٰ لکھنے کا کام صرف جمعہ کو کرتے تھے مگر یہ پھر بھی واضح نہیں ہوا کہ درسِ رضا کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہا۔اس کی وضاحت مندرجہ ذیل حوالہ جات سے مزید ہوتی ہے۔

۱۳۱۱ھ تک حضرت حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی نے والد ماجد اعلیٰ حضرت سے کتب معقول و منقول پڑھ کر انیس (۱۹) سال کی عمر میں درسیات کی تکمیل کی۔ حجۃ الاسلام کے ساتھ ان کے ہم عصر عید الاسلام مولانا عبد السلام رضوی جبل پوری قدس سرہٗ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے درس میں حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ شریک اسباق تھے۔ حجۃ الاسلام کے معاصرین میں یہ شرف تنہا حضرت عبد السلام کو ہی حاصل تھا۔(حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی (جدید ایڈیشن) ص ۱۴۲،)۔

مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی صاحب ''تذکرۂ جمیل''لکھتے ہیں کہ : سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد محدث سورتی حضرت مولانا وصی احمد کے تنہا یکتا صاحبزادے تھے ۔۱۲۹۸ھ۔۱۸۸۳ءمیں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ تیرہ (۱۳) سال کی عمر (۱۳۱۱ھ) میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی خدمت میں بریلی حاضر ہو گئے اور آپ ہی سے دورہ حدیث پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔امام احمد رضا نے خود اپنے دست مبارک سے دستار بندی کی۔اپنے والد نامدار محدث سورتی سے علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں طب کی تکمیل کی۔(**تذکرۂ جمیل، ص ۲۲۹**)۔

یہ ۱۳۱۱ھ کی بات ہے۔ اب اعلیٰ حضرت ہی کے قلم سے ایک شہادت اور ملاحظہ فرمائیں جو کہ آپ نے رسالہ ''قوارع القھار علی المجسمۃ الفجار ''۱۳۱۸ھ میں

مرتب کیا اس کے اختتامیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ : **باوصف کثرت کار و ہجوم اشغال تعلیم وتدریس** و مجالس مبارکہ میلاد سراپا تقدیس وقت فرصت کے قلیل جلسوں میں تمام ہوا (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱، ص ۲۶۳)۔

مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں پٹنہ رقمطراز ہیں : حضرت مولانا رحیم بخش صاحب اپنے وقت کی ایک بلند قامت شخصیت کے حامل تھے، ۱۳۱۲ھ کو مظفر پور ضلع کے ایک گاؤں باتھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے مقامی علما سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے آپ کے والد نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بھیجا۔ آپ نے مسلسل بارہ سال تک اعلیٰ حضرت سے تحصیل علم کیا۔ سند فراغت کے بعد آپ رشد و ہدایت کی خدمت میں مشغول ہو گئے ۔بے شمار کرامات آپ سے صادر ہوئیں ۔۱۹ جمادی الآخری ۱۳۷۹ھ کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔ آپ کا مزار باتھ ضلع مظفر پور میں مرجع خلائق ہے ۔(**فقیہ اسلام، ص ۲۵۴**)۔

ڈاکٹر حسن رضا خاں صوفی قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں : ابو الفیض قلندر علی سہروردی گیلانی کے چشم وچراغ ہیں۔ کوٹلی لوہاران سیال کوٹ وطن ہے۔ ۸ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی شوق میں دیوبند پہنچے ۔ایک رات قیام کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ تقریباً ڈھائی سال تک قیام کیا اور علوم دینیہ کا استفادہ امام اہل سنت سے کیا۔ (**فقیہ اسلام، ص ۲۴۷۔ بحوالہ سہروردی اولیاء، ص ۳۶۶**)۔

شرف ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری تحریر فرماتے ہیں کہ : استاذ العلماء مرجع الفضلاء، سید السند سید ابو البرکات صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث مرکزی حزب الاحناف لاہور فرماتے ہیں : جب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی عمر شریف پچاس برس ہو گئی تو آپ نے تمام تر توجہ تصنیف و تالیف کی طرف پھیر دی اور فرمایا: ”ایک دور یعنی نصف صدی (درس وتدریس میں) گزر گئی۔ زمانے کے حالات بدل گئے۔ اب ہمیں بھی اپنی عادات میں تبدیلی کرنی چاہیے ۔“ چونکہ لوگ تحریر سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں اس لئے اعلیٰ حضرت نے تقریر کی بہ نسبت تحریر کی طرف زیادہ توجہ فرمایا کرتے تھے ۔(**یادِ اعلیٰ حضرت، ص ۲۴**)۔

استاذ العلماء علامہ سید ابو البرکات کی اس روایت سے یہ بات صاف اور واضح ہو گئی کہ ۱۳۲۲ھ تک امام احمد رضا فاضل بریلوی کی زیادہ تر توجہ درس وتدریس پر رہی۔ عمر شریف پچاس سال ہونے کے بعد اپنی تمام تر توجہ تصنیف و تالیف افتا اور ردِّ وہابیہ کی طرف پھیر دی ۔اس سلسلہ میں ایک مقام پر امام احمد رضا خود رقمطراز ہیں : افتا اور ردِّ وہابیہ انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھڑا دیا۔ (**الکلمۃ الملھہ**، ص ۶)۔

ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات کے سلسلہ میں ”درس رضا“ کی برکتوں اور وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں : اعلیٰ حضرت نے کتب درسیہ سے فراغت کے بعد تدریس و افتاء و تصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ ابتدا میں تدریس کی طرف توجہ بہت زائد تھی۔ بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ اس لئے فقط اعلیٰ حضرت کی ذات مرجع طلبہ و علماء تھی ۔ جن کو علمی چشمہ سے فیضیاب ہونا ہوتا، وہ اعلیٰ حضرت کا قصد کرتے اور کامیابی حاصل کرتے۔ (حیات اعلیٰ حضرت (جدید) ج ۱، ص ۱۲۴)۔

الغرض اعلیٰ حضرت کا ایک زمانہ تدریس و تعلیم کا بڑے زور و شور سے گزرا ہے۔ جس میں دور دور سے طلبہ دوسرے مدرسوں کو چھوڑ کر یہاں حاضر ہوتے اور اس چشمہ علم و نظر سے

فیضیاب ہوتے۔ چنانچہ اسی زمانہ کا ایک واقعہ جناب مولوی محمد شاہ خاں عرف ننھن خاں صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن تین طالب علم نئے آئے اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے دریافت کیا کہاں سے آپ لوگ آئے ہیں، اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ وہ لوگ بولے دیوبند میں پڑھتے تھے، وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں۔ میں نے کہا یوں تو طلبہ کو نیم خیرا کا مرض ہوتا ہے، یعنی وہاں بہتر پڑھائی ہے۔ اسی لئے ایک جگہ جم کر بہت کم لوگ پڑھتے ہیں، بلکہ دو چار جگہ جا کر ضرور دیکھا کرتے ہیں۔ مگر یہ عموماً ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کی تعریف انسان سنتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف سنی ہو اور اس وجہ سے یہاں کے مشتاق ہو کر تشریف لائے ہوں۔ بولے یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اختلاف مذہب و اختلاف خیال کی وجہ سے اکثر تو بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی۔ مگر ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا کہ قلم کا بادشاہ ہے، جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا، پھر کسی کی مجال نہیں کہ ان کے خلاف کچھ لکھ سکے۔ یہی دیوبند میں سنا اور یہی گنگوہ میں بھی۔ تو ہم لوگوں کے دلوں میں شوق و ذوق ہوا کہ وہیں چل کر علم حاصل کرنا چاہیے جن کے مخالفین فضل و کمال کی گواہی دیتے ہیں۔ والفضل ما شھدت به الاعداء۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج۱، ص ۲۱۱۔ ۲۱۲، قدیم)۔

ملک العلماء ایک دوسرے مقام پر امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مجدد ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: چودھویں صدی کے مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت صاحب تصانیف کثیرہ تالیفات باہرہ جناب مستطاب معلیٰ الالقاب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ و برکاتہ قدس سرہٗ یوم القیامہ تحت ایامہ۔ اس لئے آپ کی ولادت با سعادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ اور انتقال پر ملال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ ہے۔ تو تیرہویں صدی کے آپ نے ۲۸ سال دو مہینے بیس دن پائے اور علوم و فنون، درس و تدریس، تالیف و تصنیف، وعظ و تقریر میں مشہور دیار و امصار اوانی و اقاصی ہوئے اور چودھویں صدی کے ۳۹ سال ایک مہینہ پچیس دن پائے جس میں حمایت دین و نکایت مفسدین اور احقاق حق و ازہاق باطل، اعانت سنت و اماتت بدعت میں جان و مال علم و فضل صرف فرمایا اور جس طرح بنا ہمیشہ شرع و مذہب کی نصرت اور مخالفین دینِ متین کا ردو طرد کیا اور اس میں کبھی نہ لومۃ لائم کی پرواہ کی اور نہ کسی بڑے سے بڑی شخصیت کا خیال آڑے آیا۔ نہ کبھی شہرت و مدح کی پرواہ کی نہ کسی کی طعن و قدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی۔ (**چودھویں صدی کے مجدد، ص ۸۵**)۔

مذکورہ بالا عبارت سے جہاں چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا کے اوصاف حمیدہ اور زریں کارنامے معلوم ہوئے۔ وہیں تیرہویں صدی ہجری کے آواخر میں "درسِ رضا" کی شہرت دیار و امصار میں آشکارا ہو گئی۔

محقق اہل سنت مولانا محمد جلال الدین قادری امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: تعلیم سے فارغ ہو کر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے اکثر تلامذہ آسمان علم و فضل کے نیّر درخشاں بن کر چمکے۔ امام احمد رضا کی ذات مرجع العلماء تھی۔ دور دور سے طلبہ استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ سہارنپور اور دیوبند کے چند طلبہ بھی حدیث و فقہ کے درس کے لئے حاضر ہوئے۔

فاضل منظر اسلام مولانا محمد عیسیٰ رضوی امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: منظر اسلام کا قیام عمارت و مکان کی شکل میں اگرچہ باضابطہ

طور پر (یکم محرم الحرام)۱۳۲۲ھ میں ہوا۔ مگر اس سے پہلے بھی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے دولت کدے میں درس وتدریس اور تعلیم کا باقاعدہ عمل جاری تھا۔ ملک اور بیرون ملک سے علماء وطلبہ ان کی بارگاہِ علم ودانش میں فیض صحبت اور تحصیل علم و فنون کے لئے آتے اور ان سے شرف تلمذ و شاگردی حاصل کرنے کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ اس طرح تدریس و تعلیم کا یہ سلسلہ قیام منظر اسلام سے پہلے ہی امام احمد رضا نے علوم نقلیہ وعقلیہ کے حصول سے فارغ ہونے کے بعد قائم فرمایا۔ مدتوں اسی انداز میں ان کے کاشانۂ علم ودانش میں یہ علمی سلسلہ رائج و قائم رہا۔ جب کہ منظر اسلام کا وجود و قیام ابھی خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات مرجع علماء تھی۔ ملک اور بیرون ملک سے علماء اور طلبہ فیضِ ''درسِ رضا'' سے فیضیاب ہونے اور اکتساب علم و معرفت کے لئے ''کاشانۂ رضا'' پر حاضر ہوتے۔ وہ ''کاشانۂ رضا'' جو فیوضات علمیہ و روحانیہ کا سرچشمہ تھا۔ جو علم ومعرفت کا منبع ومخزن تھا۔ جو حبر الامہ اور رأس المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علوم قرآنی کا منظر، امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درس حدیث کا مظہر، امام رازی اور امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درسِ علم وحکمت کا روشن چراغ تھا۔ یہی کاشانہ رضا تھا جہاں سے علم و معرفت کے دریا جاری تھے۔ ان ہی دریاؤں میں غوطہ زن ہو کر گوہر مراد پاتے تھے اور دولت علم وفضل لے کر اپنے وطنوں کو جاتے تھے۔

''درسِ رضا'' کا یہ سلسلہ فراغت کے بعد ۱۲۸۶ھ۔ ۱۸۷۰ء سے ۱۳۲۲ھ۔ ۱۹۰۴ء تک نہایت حسن وخوبی سے با ضابطہ جاری رہا۔ تصنیفی مشاغل اور کار افتاء بڑھ جانے سے یہ سلسلہ مدہم اور وقفہ وقفہ سے تو ہوا مگر بند نہ ہوا۔ آپ کے اس دور کے اکثر تلامذہ آسمان علم و فضل کے نیّر تاباں اور خورشید درخشاں بن کر چمکے۔ استاذ زمن مولانا محمد حسن رضا خاں بریلوی، علم میراث کے ماہر فن استاذ مولانا مفتی محمد رضا خاں بریلوی، حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی، عید الاسلام مولانا عبد السلام جبلپوری، مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا محمد عبد الاحد محدث پیلی بھیتی، مولانا سلطان احمد خاں بریلوی، مولانا سید امیر احمد بریلوی، مولانا حافظ یقین الدین بریلوی، مولانا حافظ عبد الکریم، مولانا سید نور احمد چاٹگامی، مولانا منور حسین بریلوی، مولانا واعظ الدین بریلوی، مولانا رحیم بخش باتھوی، مولانا صوفی قلندر علی سہروردی وغیرہم اسی دور کی یادگار ہیں جن کے علم وفضل کے ڈنکے دنیائے سنیت میں بج رہے ہیں اور بجتے رہیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

یہی وہ درسِ رضا، فکر رضا، عشق رضا، تقریرات رضا، تحقیقات رضا، تصنیفات رضا اور کار افتاء کا فیضان تھا۔ جن کا ذکر آپ کے ہم عصر علماء، فقہاء، ادباء، شعراء، خطباء، مدرسین، مناظرین، مصنّفین، مؤلفین، محققین، مشائخ وصوفیائے عظام اور سادات کرام کی زبانوں پر، درسگاہوں، خانقاہوں اور مجالس و محافل میں جاری تھا۔ طالبان تحقیق کے لئے معاصرین کے تذکرے اور اس دور کے اخبارات ورسائل اس سے پر نظر آتے ہیں۔ اگر معاصرین کے تاثرات جمع کئے جائیں تو وہی ایک مبسوط مقالہ کی شکل اختیار کر جائیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا یہی وہ ذکر خیر اور چرچہ تھا کہ جب استاذ العلماء حضرت مولانا سید احمد عالم قادری رجھتی نے اپنے مشفق و مہربان استاذ امام الحکمت حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور سے مدرسہ حنفیہ جون پور میں سنا تو دیدار رضا اور تلمیذ رضا کے مشتاق ہو گئے۔ استاذ العلماء حضرت مولانا سید احمد عالم قادری رجھتی جونپور کی

شہرۂ آفاق درس گاہ مدرسہ حنفیہ میں اس وقت زیر تعلیم تھے ۔یہی وہ زمانہ تھا جب امام الحکمت استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری (م ۱۳۲۶ھ۔۱۹۰۸ء) تلمیذ ارشد امام المعقولات مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) علیہما الرحمہ کی علمی جلالت کا ڈنکا پورے ملک میں بج رہا تھا۔آپ نے مدرسہ عالیہ رامپور سے ۱۸۷۸ء میں جون پور آکر مسند تدریس سنبھالی تو جونپور کو شہر ستانِ علم وفضل بنادیا ۔پورے برصغیر سے تشنگانِ علم کشاں کشاں چلے آتے۔علم کے گہر سے اپنے خالی دامنوں کو بھرتے۔علم کے بحر ذخار سے اپنے ظرف کے مطابق اپنا حصہ لیتے اور خوشی خوشی رخصت ہوتے ۔استاذ العلماء مولانا سید احمد عالم قادری رجھتی امام الحکمت کی بارگاہ علم ودرس میں کسب فیض اور حصول علم وفنون میں شب و روز ہمہ تن مشغول ومصروف تھے مگر جب امام الحکمت کی زبان ، زبانِ حق ترجمان سے درس کے دوران بار بار جامع العلوم ، مخزن فنون ،امام احمد رضا کا ذکر خیر سنا تو زیارت رضا اور ملاقات رضا کے لئے مضطرب اور بے چین ہوگئے۔پھر کیا ہوا موصوف کے فرزند ارجمند مولانا سید بدر عالم رضوی نوری رجھتی بکارو تھر مل (جھارکھنڈ) کی زبانی سنئے وہ کیا کہتے ہیں۔

موصوف اپنے والد ماجد مولانا سید احمد رجھتی کے جون پور سے بریلی شریف پہنچنے کا حال ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: جون پور میں کچھ دنوں تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا محدث جون پوری سے اپنے درس کے دوران بار بار ذکر سنا کرتے تھے ۔آپ کا اشتیاق بڑھا اور اپنے استاذ مکرم سے بریلی شریف جاکر امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی اجازت چاہی تو محدث جونپوری نے بخوشی اجازت دے دی اور اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں ۱۳۲۱ھ میں آپ کو سپرد کیا گیا ۔اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے فرمایا: ’’اپنی زندگی کا انمول ہیرا آپ کی نذر کررہا ہوں۔‘‘

امام احمد رضا کے علوم فنون فقہی تبحر، درسی مہارت اور افتاء میں کمال عبور وملکہ کا یہی ذکر جب ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری نے اپنے مشفق ومہربان استاذ اعلیٰ حضرت کے ہم عصر ومکتسب و خلیفہ علامہ وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ۔۱۹۱۶ء) سے درس کے دوران بار بار سنا تو ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔اور شوق دید بریلی کھینچ لایا۔

۱۳۲۱ھ میں امام احمد رضا کی خدمت میں بریلی پہنچے ۔ملک العلماء نے امام احمد رضا کی تصنیفی مصروفیات اور کار افتاء کی زیادتی دیکھی تو کچھ دنوں کے لئے مدرسہ ’’اشاعت العلوم ‘‘ بریلی میں زیر تعلیم رہے اور ’’دار الافتائے اہل سنت وجماعت ‘‘میں حاضر ہوکر مشق افتاء کرتے رہے آپ کے ساتھ آپ کے ہم وطن حضرت مولانا عبد الرشید عظیم آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی تھے ۔کچھ دنوں کے بعد آپ مستقل طور پر فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوکر کسبِ فیض کرنے لگے ۔اپنی اس نسبت پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور پھر ان تمام نعمتوں کے علاوہ سونے پر سہاگا یہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی حافظ قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی نے بیعت وتلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا جو شریعت مطہرہ اور طریقۂ منورہ کی علمی تصویر تھے۔جو شریعت کا رہنما۔جن کا ہر فعل احکام الٰہی کی اتباع جنہوں نے بلا خوف لومۃ لائم مسائلِ شرعیہ ومسائل فقہیہ کی تعلیم و تبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف و تصنیفات وافتاء وتدریس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی فرمائی۔

مرکز علم وعرفان جامعہ رضویہ ’’منظر اسلام‘‘ کا قیام:

جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹مارچ ۱۹۰۵ء بروز دوشنبہ قائم ہوا۔ تلمیذ و مرید خاص ملک العلماء حضرت علامہ مفتی سید عزیز حسین صاحب رضوی ظفری بھاگلپوری قدس سرہٗ قیام ''منظر اسلام '' سے متعلق رقم طراز ہیں کہ :

یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹مارچ ۱۹۰۵ء بروز دو شنبہ کو جناب تحصیلدار رحیم یار خاں صاحب رئیس اعظم بریلی کے عالی شان مکان پر واقع محلّہ ''گلاب نگر''میں ''مدرسہ اہل سنت والجماعت '' قائم ہوا۔اعلیٰ حضرت نے اس کا تاریخی نام ''منظر اسلام''رکھا۔مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسنؔ بریلوی اس مدرسے کے منتظم قرار پائے اور جناب مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب مدظلہ مہتمم جن کے اہتمام و نگرانی میں یہ مدرسہ کمال و ترقی کے مراتب طے کرتا ہوا اس وقت بہت اچھی حالت میں طلاب علم دین کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے ۔یہ ''مدرسہ ''ایک زمانے تک تو''گلاب نگر''ہی میں رہا مگر چونکہ وہ محلّہ شہر کے کنارے پر واقع تھا اور طلبا کو وہاں پہنچنے میں دقت ہوتی تھی اس لئے مدرسہ کچھ دنوں کے لئے محلّہ ''بہاری پور مسجد بی بی ''میں منتقل ہوا اس کے بعد ایک زمانہ تک جناب مولوی شاہد علی خاں صاحب ہمشیر زادہ اعلیٰ حضرت کے مکان واقع محلّہ ''سوداگران ''میں رہا پھر مدرسے کے لئے مستقل مکان خرید لیا گیا اور اب مدرسہ اپنے ذاتی مکان میں ہے علاوہ اور عوامی چندہ کے ریاست حیدرآباد سے مبلغ دو ہزار چار سو سالانہ مقرر ہے۔(جہان ملک العلماء، ص ۱۲۱)۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی مصباحی رقمطراز ہیں کہ :

(ملک العلماء نے)۱۳۲۲ھ میں قیام منظر اسلام کے لئے ذہن سازی کی، راہ ہموار کی، یہی ''منظر اسلام''برصغیر کا''بغداد العلم ''کہلایا، ایشیا کا''ازہر''ثابت ہوا۔نابغۂ روزگار درسگاہ کہلائی۔(جہان ملک العلماء، ص ۲۵٦)۔

رشکِ یونان واصفہان بنا، غرناطہ سبکسار اور دہلی، لکھنؤ شرمسار ہوا، بڑے بڑے علمی مراکز سرنگوں ہوئے ، اونچی درسگاہیں اور نامور تعلیم گاہیں للچائی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو گئیں،رحمتِ رب کی گھٹائیں ٹوٹ کر برسیں اور باب العلم کے محافظ وامین نے دَرْوا کر دیا اور مدینۃ العلم رحمت بردوش معلم ﷺ کی نوازش و کرم نے اعلیٰ حضرت کو حجازی حافظانِ حدیث اور فاضلانِ علومِ اسلامیہ کا معلم بنادیا۔

ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں کہ : زمانہ شاہد ہے، برصغیر کے کرۂ زمین پر قدیم و جدید تعلیمی مراکز میں جو چراغِ علم فروزاں ہے اس کے روغن کا سررشتہ مجددِ اسلام اور منظر اسلام سے ضرور جڑا ہوا ہے ، ماتم یہ ہے کہ تاریخ مرتب نہیں ، منظر اسلام کی خدمات (جو شجر سایہ دار کی طرح پھیلی ہوئی ہیں)کا تاریخی تناظر میں جائزہ لیا جائے۔تاریخ ہند میں خدمتِ علم اور اشاعتِ دین کا یہ سب سے روشن باب ہے مگر ہائے صد حیف ! یہی باب سب سے زیادہ تاریکیوں میں مستور ہو کر رہ گیا ہے ، خزانے کھنگالے جائیں، دفینے اُچھالے جائیں، جامعہ ''منظر اسلام '' کے موجودہ اربابِ مجاز کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے (جہان ملک العلماء، ص ۳۰۷)۔

منظر اسلام کے پہلے شیخ الحدیث اعلیٰ حضرت:

یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ۔۱۹مارچ ۱۹۰۵ء کو بریلی میں منظر اسلام کے قیام کے بعد تلامذہ وخلفاء اور احباب کے بے حد اصرار پر مدرسہ اہل سنت منظر اسلام کی سرپرستی اور شیخ الحدیث کا منصب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قبول کیا۔استاذ زمن مولانا محمد حسن رضا خاں قادری منتظم دفتر مدرسہ اہل سنت ''منظر اسلام'' بریلی، مدرسہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

سب میں بڑھ کر خوش نصیبی اس مدرسہ کی یہ ہے کہ مجدد مائۃ حاضرہ صاحب براہین قاہرہ، عالم اہل سنت حضرت مولانا مولوی حاجی محمد احمد رضا خاں قادری برکاتی مدظلہم العالی نے با وجود قلت فرصت اس کی نگرانی کے ساتھ درسِ حدیث شریف بھی اپنے ذمہ لیاہے۔(**روداد منظر اسلام (۱۳۲۲ھ) ص ۴۔۵**)۔

ملک العلماء مولانا سید ظفرالدین بہاری اور مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی کو دیگر درسی کتابوں کے ساتھ بخاری شریف پڑھائی۔ علامہ ڈاکٹر محمد ارشاد احمد ساحل سہسرامی علیگ لکھتے ہیں:

(حضرت ملک العلماء)۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی اوب کر سرچشمۂ علم وادب اور مصدر عشق و محبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انھیں کے ہو کر رہ گئے۔ بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کردی۔

حضرت ملک العلماء کے ذوقِ علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ۔۱۹۰۵ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا۔ جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا۔(۱) ملک العلماء مولانا ظفرالدین قادری رضوی۔(۲) مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی۔

حضرت ملک العلماء نے امام احمد رضا سے بخاری شریف ،اُقلیدس کی چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہئیت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا ۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتاب ''رسالہ قشیریہ'' اور ''عوارف المعارف'' کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلہ عالیہ، قادریہ، برکاتیہ، رضویہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔(فتاویٰ ملک العلماء ،ص ۱۱۔۱۲)۔

اعلیٰ حضرت کا درس بخاری:

تلمیذ و مرید خاص ملک العلماء مفتی سید عزیز حسین رضوی ظفری بھاگلپوری حضرت ملک العلماء کا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بعد ظہر تقریباً ڈھائی سال تک برابر بخاری شریف کا درس لینے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

حضرت مولانا (ملک العلماء) فرمایا کرتے تھے کہ یوں تو میرے تمام اساتذہ میرے حد سے زیادہ مشفق اور مجھ پر مہربان تھے اور ہر ایک اپنے اپنے انداز تعلیم میں ایک سے ایک تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کے پڑھانے کا طریقہ ان سب سے جدا تھا۔ میں نے بخاری شریف کی ایک حدیث پڑھی۔ پہلے آپ سند کے متعلق گفتگو فرماتے مگر، اس کے بعد ایک مسلسل تقریر شروع فرماتے، جس میں پہلے نفس حدیث کا مطلب بیان کرتے، اس کے بعد ارشاد ہوتا کہ اس حدیث سے یہ یہ مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور لفظ لفظ سے جو مسئلے نکلتے، ان کو بیان فرماتے، جو حدیثیں ایسی آتیں جن سے مخالفت اہل سنت حضرات اہل حدیث اپنے مذہب پر استدلال کرتے ان کی تقریر و طریقۂ استدلال کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ غیر متعصّبانہ طریقہ پر ظاہر فرماتے۔ جس سے سننے والا سمجھتا کہ ان کا استدلال بہت ہی ٹھیک اور واضح ہے۔ اس کے بعد اس کا رد نہایت ہی وضاحت کے ساتھ مفصل

ارشاد فرماتے۔اس وقت صاف معلوم ہو جاتا کہ اس حدیث سے مسئلے پر استدلال ہر گز صحیح نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی تقریر و درس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام صداقت التیام کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آجاتا جو انہوں نے امام اعظم قدس سرہٗ کے حق میں فرمایا تھا کہ: ''وہ اس پائے کے ہیں کہ اگر اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو دلیل سے ثابت کر دیں۔''

........اگرچہ اسباق میں اور لوگوں کی بھی شرکت تھی خصوصاً صحیح بخاری شریف کے درس میں تو شریک ہونے والوں کی تعداد انیس بیس تک پہنچ گئی تھی شارع و قاری (کتاب شروع کرنے والے اور پڑھنے والے) حضرت الاستاذ (ملک العلماء)ہی ہوتے اور لوگ محض سامع تھے۔(جہان ملک العلماء،ص ۱۲۲)۔

درسِ حدیث کا یہ سلسلہ ۱۳۲۷ھ تک منظر اسلام میں باقاعدہ جاری رہا۔شہزادہ اصغر مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری اور استاذ العلماء مولانا سید خلیل احمد کاظمی امروہوی کو باضابطہ بخاری شریف پڑھائی۔معقولات و منقولات کی منتہی کتابوں کی تکمیل کرا کر زیور علم و عمل سے آراستہ فرما کر سندِ فراغ عطا فرمائی۔

اس کے بعد ''درس رضا'' کا یہ سلسلہ مخصوص طلبہ کے لئے اور مخصوص علم و فن کی تعلیم و تربیت کی حد تک وقفہ وقفہ سے ۱۳۴۰ھ تک جاری رہا۔چنانچہ ۳۱۔۱۳۳۰ھ میں آخری درس حدیث صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی رضوی اعظمی اور ان کے ہم درس ساتھیوں کو امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دیا۔جیسا کہ مولوی ابو علی محمد تقی احمد صاحب مالا باری قادری نقشبندی امام مسجد کلیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں دھورا حاجی عبد الغفور صاحب کے یہاں مقیم تھا کہ استاذی صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب وہاں تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت کے حالات کے ضمن میں بیان فرمایا کہ:

ہم اعلیٰ حضرت سے درس حدیث لے رہے تھے کہ خلاف عادت حضرت وہاں سے اٹھے اور پندرہ منٹ بعد قدرے متفکر پریشان واپس تشریف لائے اور دونوں ہاتھ آپ کے مع آستین کے تر تھے تو مجھے (صدر الشریعہ) پکارا،''میں''مسجد کے باہر آیا تو حکم فرمایا کہ دوسرا خشک کرتا لے آیئے۔میں نے حاضر کیا، حضور نے پہنا،اور ہم لوگوں کو درس حدیث دینے لگے لیکن میرے دل میں یہ عجیب بات کھٹکی تو میں نے وہ دن تاریخ وقت لکھ لیا چنانچہ گیارہ دن کے بعد ایک جماعت تحفہ تحائف لے کر حاضر ہوئی،جب وہ لوگ چند دن رہ کر واپس جانے لگے تو میں نے ان سے حال پوچھا کہ کہاں مکان ہے؟اس وقت کہاں سے تشریف لائے اور کیسے آنا ہوا؟ تو ان لوگوں نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ہم فلاں تاریخ کشتی میں سوار ہوئے،ہوا تیز چلنے لگی،موجیں زیادہ ہونے لگیں،یہاں تک کہ کشتی کے الٹ جانے اور ہم لوگوں کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو ہم نے اعلیٰ حضرت سے توسل اور نذر مانی تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کشتی کے نزدیک آیا اور کنارا اس کا پکڑ کر گھاٹ کے کنارے پہونچا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت کے توسل کی برکت سے ہم لوگوں کو بچا لیا،تو وہی نذر پوری کرنے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت کو آئے ہیں۔حضرت استاذ نے اس جگہ کا نام فرمایا تھا لیکن ہم اس وقت بھول گئے۔

(حیات اعلیٰ حضرت جدید،ج۳،ص ۲۵۴۔۲۵۵، مطبوعہ بولٹن یو۔کے۔ترتیب جدید،مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی)۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ عشق و محبت رسول ﷺ کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے درس حدیث کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے اور درس حدیث کے لئے کمال درجہ کا اہتمام فرماتے ۔**(جاء الحق،ج۱)**۔

علم حدیث میں عشق و محبت نبوی ﷺ کے آداب کی رعایت کا جذبۂ صادق جتنا ضروری ہے اس سے ہر صاحب ایمان بخوبی واقف ہے۔ بے عشق محمدی ﷺ جو درس بخاری دیتے ہیں برکت و سعادت اس کے قریب بھی نہیں آتی۔ حضرت فاضل بریلوی کا سینہ عشق رسالت ﷺ کی سرشاریوں سے لبریز تھا اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے نگاہیں شاد کام ہوتیں یا درس حدیث دیتے تو اس وقت اس کی وارفتگی کا عالم دیدنی ہوتا اور فیضان محمدی ﷺ کی موسلا دھار بارش میں ان کا سارا وجود بھیگ جاتا۔ دلوں کے اطمینان اور یقین و اذعان کی دولت سے سرفراز ہونے کے لئے میں آنے والے اس محسوس واقعہ کو سب سے بڑی شہادت قرار دیتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی درس حدیث کی کیا کیفیت تھی؟ زبدۃ السادات علامہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے حوالے سے مفتی محمد غلام سرور لاہوری رقمطراز ہیں: جامع مسجد ہارون آباد کے امام اور غلہ منڈی ہارون آباد کی مسجد کے خطیب مولانا مولوی احمد الدین صاحب فاضل مدرسہ انوار العلوم نے راقم الحروف کو بتایا کہ میں نے حضرت علامہ فہامہ محقق اہل سنت مولانا مولوی نور احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا یہ فرماتے سنا کہ:

عارف باللہ امام اہل سنت حضرت مولانا مولوی سید پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ گولڑوی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ آپ اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لئے بریلی شریف حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت حدیث پڑھا رہے تھے۔ فرماتے تھے مجھے یوں محسوس ہوتا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی حضور پُر نور ﷺ کو دیکھ دیکھ کر آپ کی زیارت شریفہ کے انوار کی روشنی میں حدیث پڑھا رہے ہیں۔ **(الشاہ احمد رضا، ص ۱۰۳)**۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو علوم منقولہ کے علاوہ علوم معقولہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری نے لکھا ہے کہ: ۱۳۲۹ھ۔ ۱۹۱۱ء سے قبل ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے علم المربعات کا ایک سوال اخبار دبدبۂ سکندری (رامپور) میں شائع کرایا کہ کوئی ریاضی داں اس کا جواب دے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اس کا جواب اور اپنی طرف سے ایک سوال شائع کرایا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کی نظر سے جب یہ جواب و سوال گزرا تو ان کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ایک مولوی نے نہ صرف ان کے سوال کا جواب دے دیا بلکہ اپنی طرف سے ایک سوال بھی پیش کر دیا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین نے مولانا بریلوی کے سوال کا جواب شائع کرایا، لیکن مولانا بریلوی نے اس کی تغلیط کر کے ڈاکٹر صاحب کو اور حیرت میں ڈال دیا۔

یہ ابتدائی غائبانہ تعارف تھا اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے ایک مسئلہ میں مشکل پیش آئی جس کے لئے وہ جرمنی جانا چاہتے تھے مگر پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی) کے ایماء پر وہ مولانا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پروفیسر موصوف، مولانا بریلوی کے خلیفہ تھے۔ جب مولانا بریلوی کو ڈاکٹر صاحب کی آمد کی خبر ملی تو فطری طور پر ان کو خیال ہوا کہ جس شخص نے ساری عمر ریاضی کی تحصیل میں گزار دی، نہ معلوم وہ کیا کیا سوال کرے۔ مولانا بریلوی نے سید ایوب علی صاحب سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

ڈاکٹر صاحب کے آنے سے پہلے ایک قسم کا خیال آتا تھا کہ انھوں نے اس علم کے حصول میں اپنی زندگی صرف کر دی ہے نہ معلوم کیا کیا سوالات کریں گے۔ بخلاف اس کے یہاں تو صدہا مصروفیتیں ہیں، خدا جانے میں جواب دے سکوں گا یا نہیں۔ مگر بحمد اللہ پروردگار عالم نے ان کی پوری تشفی کرا دی

۔اور وہ بہت مسرور ہو گئے۔

جس دن ڈاکٹر ضیاء الدین حاضر ہوئے سید ایوب علی صاحب ان کے بھائی سید قناعت علی صاحب موجود تھے ،ان دونوں نے اپنے چشم دیدہ واقعات قلمبند کرائے ہیں۔سید ایوب علی صاحب نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جب مسئلہ کے بارے میں مولانا بریلوی سے پوچھا، تو فوراً حل فرما دیا۔اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے علم ریاضی پر ایک عربی کتاب کا ذکر کیا جو مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ کی لائبریری میں موجود تھی ۔ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ ایک عالم کے ساتھ یہ کتاب بھیجیں گے ، مولانا بریلوی ان عالم کو پڑھا دیں پھر ان سے وہ خود پڑھ کر انگریزی میں ترجمہ کر لیں گے۔ چنانچہ وہ عالم کتاب لے کر آئے اور مولانا بریلوی نے ان کو پڑھایا۔

مولوی محمد حسین میرٹھی (موجد طلسمی پریس) نے ۱۹۲۹ء میں شملا میں قیام کے دوران ڈاکٹر ضیاء الدین سے مولانا بریلوی اور ان کی ملاقات کا حال پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے۔اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔**(حیات اعلیٰ حضرت، ج۳، ص ۲۵۴۔۲۵۵، جدید)**

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے پاس حجاز و روس تک سے علوم جدیدہ کی تحصیل کے لئے تشنگانِ علوم و فنون آتے اور اس تاجدار علم و فن سے علمی پیاس بجھا کر واپس جاتے تھے ۔چنانچہ مدینہ منورہ سے مولانا سید حسین مدنی (ابن سید عبد القادر شامی) علم تکسیر کی تحصیل کے لئے آئے اور چودھا (۱۴) مہینے دولت خانہ پر قیام کیا۔ موصوف ہی کے لئے علم تکسیر میں یہ رسالہ تصنیف کیا۔"**اطائب الاکسیر فی علم التکسیر**"مولانا سید حسین مدنی کی بریلی آمد کے سلسلہ میں خود امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تفصیل بیان کرتے ہوئے اپنے سفر حج کے احوال میں ارشاد فرمایا:

میں نے یہ خیال کیا کہ یہ شہر کریم تمام جہاں کا مرجع و ملجا ہے ،اہل مغرب بھی یہاں آتے ہیں ، ممکن کہ کوئی صاحب جفرداں ملجائیں کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے ۔ایک صاحب معلوم ہوئے جفر میں مشہور ہیں۔نام پوچھا، معلوم ہوا مولانا عبد الرحمٰن دہان، حضرت مولانا احمد دہان مکی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔نام سن کر اس لئے خوش ہوا کہ یہ اور ان کے بڑے بھائی صاحب مولانا اسعد دہان کہ اب قاضی مکہ ہیں ، مجھ سے سند حدیث لے چکے تھے۔میں نے مولانا عبد الرحمٰن کو بلایا ،وہ تشریف لائے ۔ کئی گھنٹے خلوت رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاعدہ جو ان کے پاس ناقص تھا،اس کی تکمیل ہو گئی۔

اسی کے مثل سرکار مدینہ میں واقع ہوا، وہاں بھی ایک صاحب عبد الرحمٰن نام ہی کے ملے ،یہ عبد الرحمٰن عربی مکی ہیں اور وہ عبد الرحمٰن آفندی ترکی شامی ۔کئی روز متصل تشریف لاتے اور دیر تک بیٹھ کر جاتے۔ ہجوم حضرات اہل علم و معززین کے سبب انھیں بات کا موقع نہ ملتا۔ایک دن میں نے ان سے غرض پوچھی، کہا: تنہائی میں کہوں گا۔دوسرے دن ان کے لئے وقت نکالا۔ کہا: میں جفر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے فرمایا: یہاں نہ اب میرا زیادہ قیام ہے ، نہ تیرا۔ میں خاص اس کی تحصیل کے لئے تیرے پاس ہندوستان آؤں گا۔

وہ تو نہ آئے ، مگر مولانا سید حسین صاحب مدنی صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبد القادر شامی مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور چودہ مہینے فقیر خانہ پر قیام فرمایا اور علم اوفاق و تکسیر سیکھے۔انھیں کے لئے میں نے اپنا رسالہ "اطائب الاکسیر فی علم التکسیر"زبان عربی میں املا کیا۔یعنی میں عبارت زبانی

بولتا جاتا اور وہ لکھتے جاتے اور اسی لکھنے میں اسے سمجھتے جاتے۔ علم جفر میں اتنی دست گاہ ہوگئی تھی کہ پانچ سوالوں میں دو کا جواب صحیح نکال لیتے کہ ان کے لئے میں نے اس علم سے اجازت تعلیم کا سوال پہلے کر لیا تھا اور جواب ملا کہ ضرور بتاؤ کہ یہ اسی کے لئے اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں۔ اگر چند مہینے اور رہتے تو امید تھی کہ سب جواب صحیح نکالتے۔ میں نے جو جد اول کثیرہ اس فن کی تسہیل جلیل کے لئے اپنی طبع زاد ایجاد کی تھیں، رخصت کے وقت انھیں نذر کر دیں کہ خود اس فن کے ترک کا قصد کر لیا تھا، جس کی وجہ سوالوں کی کثرت سے لوگوں کو پریشان کرنا تھا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو علم جفر میں بھی مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ چنانچہ بخارا (روس) سے مولوی عبد الغفار بخاری علم جفر سیکھنے کے لئے امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آٹھ (۸) مہینے تک اس علم کو حاصل کیا۔ امام احمد رضا کا مندرجہ ذیل رسالہ اس موضوع پر موجود ہے "**سفر السفر عن الجفر بالجفر**"

مولانا محمود احمد رفاقتی مصنف تذکرہ علماء اہل سنت، قیام منظر اسلام کے بعد اعلیٰ حضرت کے زیر درس کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: قیام منظر اسلام کے بعد آپ کے زیر درس جو کتابیں رہیں وہ یہ تھیں۔ حدیث میں بخاری شریف، تصوف میں عوارف المعارف، رسالہ قشیریہ، علوم عقلی میں اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک اور شرح چغمینی، تصوف و سلوک کی دونوں معرکۃ الآرا کتابوں کے درس کے وقت طلبا تو ہوتے ہی تھے، علماء کی جماعت بھی شریک درس ہوا کرتی تھی۔

ان کے طریقہ تدریس اور طرز تعلیم کا شہرہ اتنا ہوا کہ اقطار ہند و سندھ، کابل و قندھار، جو ان کے مورث اعلیٰ کا وطن اصلی تھا حتیٰ کہ حجاز و عرب سے بھی محبان علم و عرفان کشاں کشاں چلے آئے، جیسا کہ درج فہرست طلباء کی سکونت و ولدیت سے پتہ چلتا ہے، صاحب سیرت کے ایک سیرت نگار نے لکھا ہے کہ بعض طلباء دیوبند و گنگوہ کے مدارس چھوڑ کر درسگاہ بریلی آ پہنچے۔ کیونکہ اختلاف مسلک و عقیدہ کے باوجود ان مدارس میں، ان کے اساتذہ و علماء کی نجی محفلوں اور خلوتوں میں امام احمد رضا کے علمیت و عبقریت اور فقاہت و بصیرت کے چرچے ہوتے رہتے تھے، سیرت نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ سے ۱۲۸۶ھ تا ۱۳۴۰ھ پورے چون (۵۴) برس کے عرصہ میں سیکڑوں نہیں ہزاروں طلباء مستفید و فیض یاب ہوئے۔ **(الف) حیات اعلیٰ حضرت، ج ا، ص ۱۲۔۱۳ (ب) ماہنامہ "معارف رضا" کراچی شمارہ ۱۹۸۹ء مضمون ملک العلماء)**

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہٗ کا وصال ہوا، اسی سال ۲۳ تا ۲۴ شعبان ۱۳۴۰ھ / ۲۱ تا ۲۳ اپریل ۱۹۲۱ء کو مدرسہ اہل سنت "منظر اسلام" کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جلسہ کے انعقاد سے پہلے ایک دعوتی اطلاعی رپورٹ ہفت روزہ اخبار "دبدبۂ سکندری" رامپور میں چھاپی گئی، اس میں لکھا گیا ہے کہ اس وقت تک دو کم تین سو طلباء دستار و سند فضیلت لے کر فارغ التحصیل علماء میں شامل و شمار ہو چکے ہیں۔ **(ہفت روزہ اخبار "دبدبۂ سکندری" رامپور۔ ص ۶، مجریہ ۱۷ اپریل ۱۹۲۲ء)۔**

از:

حضرت علامہ **مفتی سید شاہد علی حسنی نوری** جمالی کریمی

خلیفہ حضور مفتی اعظم، قاضی شرع و مفتی اعظم ضلع رامپور،

شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ مرکزی درسگاہ اہل سنت الجامعۃ الاسلامیہ

، گنج قدیم رامپور، یو. پی. انڈیا۔ Mb:09837171808

نوری مقال در امرِ ہلال

از: حضرت علامہ مفتی شاہ محمد کوثر حسن صاحب قبلہ قادری رضوی مدظلہ النورانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی و نسلم علی رسولہ الکریم
و علی آلہ الفخیم

ہر وہ جسے ہم غلبہ ٔ ظن سمجھیں ہر جگہ بکار آمد نہیں۔ ایک عادل کی خبر مفیدِ غلبہ ٔ ظن ہوتی ہے، اور دیانات میں مقبول و معتبر بھی ہوتی ہے، جیسا کہ امام اہل سنت قدس سرہٗ نے الاحلی من الکسر لطلبة کسر روسر میں فرمایا:

کل کی برف میں شراب ملنے کی خبر، اگر منتہائے سند مسلمان عادل اگرچہ ایک ہی ہو، جب بھی احتزا واجب، اور برف حرام و نجس۔ فان فی الدیانات لا یشترط العدد و یقبل خبر الواحد العدل بلا تردد (مختصراً فتاویٰ رضویہ، ج ۲، ص ۱۱۷)

مگر امرِ ہلال میں سوا رمضان کے مقبول و معتبر نہیں، اور رمضان میں بھی بحالِ صفائے مطلع بغیر کسی خصوصیتِ خاصہ کے معتبر نہیں۔

اگر مطلق غلبہ ٔ ظن معتبر ہو تو یہ نااعتباری، جس کی فقہائے کرام نے تصریح فرمائی، اس کے کیا معنیٰ ہوں گے؟

قاضیٔ شرع کا خط دوسرے قاضی کے نام، جسے دو عادل دارالقضا سے لیکر آئیں، اور شہادت دیں کہ یہ قاضیٔ مذکور کا خط آپ کے نام ہے، جسے قاضی مذکور نے ہمارے سامنے لکھا اور ہمیں اس پر گواہ کیا، یہ شہادتِ عدلین گو شرع نے اسے یقین کا درجہ عطا فرمایا، تاہم بالغ مبلغ تواتر نہیں، کہ فی نفسہٖ موُرِثِ یقینِ کلامی ہو، تو ضرور مفیدِ غلبہ ٔ ظن ہی ہے، اور دربارۂ ہلال وغیرہ مقبول و معتبر ہے۔

مگر قاضی دوسرے قاضی کے پاس خود آکر بیان کرے تو مقبول و معتبر نہیں، خط بھی اسی کی زبان تھی، کہ القلم احدی اللسانین، جو دو گواہوں کے توسط سے پہنچی، اور جس احتمالِ کذب وخطاء سے خبرِ واحد کو چارہ نہیں، وہ اس توسط میں اور زیادہ ہوا۔ مگر پھر بھی مقبول و معتبر۔ اور براہِ راست بیانِ قاضی میں قصرِ مسافت و تقلیلِ احتمال، مگر پھر بھی نا مقبول و نامعتبر۔ تو وجہ کیا ہے؟

یہ کہ غلبہ ٔ ظن وہ معتبر ہے جو طریقہ ٔ شرع سے حاصل ہو۔ نامہ ٔ قاضی کے قبول پر صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بر خلافِ قیاس اجماع فرمایا۔ لہٰذا وہ مقبول ہوا۔

اور قاضی کا بالمشافہ یا فون وغیرہ جدید آلہ جات سے بیان اس سے جدا ہے۔ لہٰذا نامقبول ٹھہرا۔

امام اہلسنت قدس سرہٗ کے فتاویٰ میں ہے:

تنبیہ چہارم: ۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر سے بذریعہ ٔ خط خبرِ شہادت دینا، صرف قاضیٔ شرع سے خاص۔ جسے سلطان نے فصلِ مقدمات پر والی فرمایا ہو۔ یہاں تک کہ حَکَم کا خط مقبول نہیں۔ در مختار میں ہے: القاضی یکتُبِ الی القاضی وھو نقل الشهادة حقیقة ولا یُقبل من مُحکّم بل من قاض مُوَلّی من قِبَل الامام الخ ملتقطاً

(ردالمحتار ج۴، ص۳۸۹۔۳۹۰۔۳۹۵)

فتح میں ھے ھذاالنقل بمنزلة القضاءولھذا لایصحّ الاّ من القاضی (فتح القدیر ج ۷، ص۲۷۷) غیر قضاۃ تو یہیں سے الگ ہوئے، رہے قاضی ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامۂ قاضی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے بر خلافِ قیاس اس کی اجازت پر اجماع فرمالیا۔ ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی انہیں وجوہ سے جواوپر گذریں مقبول نہ ہو۔ اور پُر ظاہر کہ جو حکم بر خلافِ قیاس مانا جاتا ہے، مورد سے آگے تجاوز نہیں کر سکتا۔

ائمۂ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذاتِ خود ہی آکر بیان کرے، کہ میرے سامنے گواہیاں گذریں، ہر گز نہ سنیں گے۔ کہ اجماع تو صرف در بارۂ خط منعقد ہوا ہے۔ پیامِ ایلچی وخود بیانِ قاضی اس سے جدا ہے۔

امام علامہ محقق علی الاطلاق شرحِ ہدایہ میں فرماتے ہیں: الفرق بین رسول القاضی و کتابه حیثُ یُقبل کتابه و لایُقبل رسوله فلان غایة رسوله ان یکون کنفسه و قدّمنا انه لو ذکر مافی کتابه لذٰلک القاضی بنفسه لا یقبله و کان القیاس فی کتابه کذٰلک الاّ انه اُجیز باجماع التابعین علیٰ خلاف القیاس فَاقْتُصِرَ علیه (فتاویٰ رضویہ ج۴، ص۵۲۵۔۵۲۶ / فتح القدیر ج۷، ص۲۷۳) خط اور ایلچی دونوں قاضی کے روانہ کردہ، مگر ان میں یہ فرق، کہ خط مقبول اور پیامِ ایلچی نامقبول۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایلچی کی حیثیت خود قاضی کی سی ہوگی۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے، کہ خود قاضی اپنے خط کا مضمون دوسرے قاضی کے سامنے بیان کرے تو نہیں مانا جائے گا۔ خط کے بارے میں بھی قیاس یہی تھا کہ نہیں مانا جاتا، مگر خط کے مقبول ہونے پر تابعین کا اجماع ہے۔ اس لئے بر خلافِ قیاس خط جائز رکھا گیا، تو یہ بر خلافِ قیاس حکم خط ہی تک محدود رہے گا۔

قاضی کا یا چاند دیکھنے والے کا دور دراز مقام سے فون وغیرہ آلاتِ ترسیل کے ذریعہ بیان، گو مفید ظن ہو، تاہم وہ ضرور پسِ پردہ کی آواز ہے، اور ضرور احتمالِ زُور سے دوچار ہے، اور در بارۂ ہلال بے اعتبار ہے۔

امام اہلسنت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

یوں ہی ٹیلیفون، کہ اس میں شاہد مشہود نہیں ہوتا۔ صرف آواز سنائی دیتی ہے۔ اور علماء تصریح فرماتے ہیں، کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہو سکتی۔ کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔

تبیین الحقائق امام زیلعی (بیان مایشترط للشهادة فی ثبوت الولادة والبکارة و عیوب النساء، ج۵، ص۱۶۰) پھر فتاویٰ عالمگیریہ (کتاب الشهادة باب بیان تحمل الشهادة وحدّ ادائها، ج۳، ص۴۵۲) میں ہے: لو سمع من وراء الحجاب لا یسمعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذا النغمة تُشبه النغمة الخ وصورة الثُّنیا التی ذکر لا تحقق لها فیما نحن فیه کما لا یخفیٰ (فتاویٰ رضویہ، ج۴، ص۵۲۷)

ٹیلیفون دینے والا اگر سننے والے کے پیشِ نظر نہ ہو، تو امورِ شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں، اگر چہ آواز پہچانی جائے، کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے۔ اگر وہ کوئی شہادت دے معتبر نہ ہوگی۔ اور اگر کسی بات کا اقرار کرے تو سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں۔ ہاں اگر وہ اس کے پیشِ نظر ہے، جسے دوبدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی

اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں ،ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو۔اور ٹیلیفون کا واسطہ صرف بوجہِ آسانی آواز رسانی کے لئے ہو، کہ اتنی دور سے آواز پہنچنا دشوار تھا۔ تو اس صورت میں اس کی بات جس حد تک شرعاً معتبر ہوتی، اب بھی معتبر ہوگی۔ مثلاً خود اپنی رویت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی۔ اگر وہ مقبول الشہادۃ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج۴، ص ۵۲۸۔۵۲۹)

واضح رہے کہ ٹیلیفون سے مسموع بیان کی نااعتباری کو، امام اہلسنت قدس سرہٗ نے اس پر مبنی نہیں فرمایا، کہ وہ بیان تار وغیرہ کی طرح بذریعۂ وسائطِ نامعتبر موصول ہوتا ہے۔ بلکہ اس پر مبنی فرمایا۔ کہ اس میں شاہد سامنے موجود نہیں ہوتا۔ صرف آڑ سے آواز سنائی دیتی ہے۔ اور اسی وجہِ نااعتباری پر تبیین وعالمگیری سے وہ جزئیہ پیش فرمایا۔

آواز کی شناخت وغیرہ قرائن سے جو یقین یا غلبۂ ظن حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں، وہ عرفی ہے۔ وہ اگر ان امور سے متعلق ہو، جو مکاتباتِ ناس فیما بینھم کے دائرے میں آتے ہیں۔ تو وہاں مقبول و معتبر بھی ہے۔ مگر در بارۂ ہلال مقبول و معتبر نہیں۔ کیونکہ ثبوتِ ہلال کے لئے شرع نے جو طریقہ بتایا، وہ اس طریقۂ شرعی سے حاصل شدہ نہیں ہے، کہ اس پر صوم وعید کی بنا ہو سکے۔ امام اہلسنت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

یہ زعم کہ ہم کو تو یقین ہو گیا۔ صحیح نہیں۔ یقین وہ ہے جو حجّتِ شرعیہ سے ناشی ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ،ج۴، ص ۵۶۲)

اور **البُدور الاَجِلّہ فی اُمور الاَہِلّہ** میں فرمایا: یقینِ عرفی کچھ بکار آمد نہیں (فتاویٰ رضویہ ،ج۴، ص ۵۸۰)

پھر اس کی شرح **نور الادلّہ** میں فرمایا:

اقول: یہ ایک نفیس مسئلہ ہے، جس پر فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے تنبیہ کی۔ یقین دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک شرعی کہ طریقۂ شرع سے حاصل ہو۔ دوسرا عرفی کہ باوجود عدمِ طریقۂ شرعی، صرف اپنے متقبولات و مسلمات، یا تجربیات و مشہورات اور قرائن خارجیہ کے لحاظ سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ ناواقف لوگ مُدرَکِ عرفی و شرعی میں تفرقہ نہ جان کر اسے کافی ووافی و دلیلِ شرعی گمان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح خطا ہے۔

مثلاً جہاں شرعِ مطہرہ نے شہادت میں عدد شرط کیا ،دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہوں۔ وہاں ہمارے کسی اعظمِ معتمد اَجَلِ مستند نے جسے افضلِ اولیائے عالم جانیں ،اور وہ واقع میں بھی غوثِ زمانہ ہی ہو۔ شہادت دی کہ میرے سامنے ایسا ہوا، اور میں نے بچشم خود دیکھا۔ ہمیں جو اعتبار اس کے فرمانے پر آئے گا، ہر گز دو چار دس بیس کی بات پر بھی اس سے زیادہ نہ ہو گا۔ مگر شرع دوسرا گواہ اور مانگے گی، اور معاملہ زنا میں تین۔ تو اگر ایسے ہی تین گواہی دیں جب بھی نامسموع ۔کہ قرآنِ کریم نے بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فرمایا، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ سامع مطّلع کو ان کے ارشاد میں اصلاً محلِّ شک نہ ہو گا۔

اسی طرح ہزاروں نظریں اس مسئلہ کی ہوں گی، اور پھر قرائن بے چارے کس گنتی شمار میں ہیں۔ **ذی علم** کو بارہا واقع ہوتا ہے، کہ بہت **امور خارجہ** کے لحاظ سے چاند ہونے پر **اطمینان کامل** رکھتا ہے۔ مگر جب تک ثبوتِ شرعی نہ ہو ہر گز **حکمِ رویت نہیں کرتا**۔ یوں ہی جب ثبوت **میزانِ شرع** پر

ٹھیک اُترے گا۔ مجبوراً **حکم رویت کرے گا**۔ اگرچہ بنظرِ امورِ دیگر کسی طرح ہلال کا ہونا دل پر نہ جمے۔ ایسی ہی جگہ **عالم و جاہل** کا فرق کھلتا ہے۔ جب قرائن اس کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں، جُہلا حکم عالم پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ جو میں نے کیا وہی رائے صائب تھی۔ اور مجھ پر بہر حال مُدرَکِ شرعی کی پابندی واجب۔ (فتاویٰ رضویہ ،ج ۴، ص ۵۸۳)

دو چار دس بیس یا کثیر فون دربارۂ ہلال استفاضۂ شرعیہ میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ **اولاً** تو ان میں احتمالِ تزویر لگا ہوا ہے۔ امام اہلسنت سے فقہائے کرام کا ارشاد سن چکے، کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہو سکتی، کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔

لہٰذا فقہائے کرام نے استفاضہ میں متعدد جماعتوں کا بلدۂ ثبوت سے بلدۂ غیر ثبوت میں آنا تحریر فرمایا، کہ اس صورت میں **وہ تعدد واقعی عیانی تعدد ہوگا**۔ اور النغمۃ تُشبِہ النغمۃ یعنی اشتباہِ آواز کی تہمت سے بھی اپنے مقبولات و مسلمات و قرائن خفیہ یا متفردہ کے ذریعہ نہیں، جو کہ محض مورثِ یقینِ عرفی ہوتے ہیں۔ بلکہ **ظاہر باہر طور پر** بری ہوگا۔

فون وغیرہ ترسیلِ آواز کے جدید آلہ جات سے اگر امور دنیا کا یقین ہو جاتا ہے، تو وہ فوراً نہیں ہوتا۔ اور جملہ تفاصیل کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ جزوی رو سے ہوتا ہے اور اس کے لئے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے، جس سے کہ احتمالِ خلاف مرتفع ہو جائے۔

ثانیاً: دربارۂ ہلال استفاضہ شرعیہ وہ ہے کہ بلدۂ ثبوت کے عام سُکان سے بلدۂ غیر ثبوت کے عام سُکان کو منتقل ہوتا ہے۔ نہ کہ صرف قاضی کو پہنچے، یا محض دو چار دس بیس کان اسے سن لیں۔ امام اہلسنت ردالمحتار علامہ شامی سے اور وہ ذخیرہ امام شمس الائمہ سے ناقل: **الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض و تحقق فیما بین اھل البلدۃ الاخریٰ یلزمھم حکم ھذہ البلدۃ** اھ مثلہ فی **الشرنبلالیۃ عن المغنی.** (فتاویٰ رضویہ ،ج ۴، ص ۶۳۳ ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۰۲)

اور علامہ شامی سے ناقل:

فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۵۳)

دیکھو! بلدۂ غیر ثبوت کے عام سکان تک اس خبر کا پہنچنا فرمایا ہے۔ اور جب ان ساکنین تک وہ مستفیض و متحقق پہنچ جائے، تو اب انہیں کسی قضائے نو کی احتیاج نہیں۔ بلکہ بلدۂ ثبوت ہی کی قضا۔ جبکہ وہ شہر اسلامی اور احکام و حکام کی پابندی وہاں دوامی ہو، ان بلدۂ غیر ثبوت کے ساکنین کے لئے کافی ہو جائے گی۔ اور ان پر صوم و عید واجب و لازم ٹھہرائے گی۔ اور استفاضہ کا مطلب یہ ہوا کہ بلدۂ ثبوت میں جو حکم و قضا واقع ہوا تھا، وہی اس بلدۂ غیر ثبوت کے عام ساکنین کو پہنچا۔

یہ استفاضہ کی اس صورت میں ہے جس کی تحقیق علامہ شامی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمائی۔ اور وہ صورت جو امام اہلسنت قدس سرہٗ نے ظاہر فرمائی اس میں بلدۂ ثبوت کی رویت بذریعۂ تواتر بلدۂ غیر ثبوت کے ساکنین کو پہنچے گی۔ اور بغیر کسی حکم و قضا کے صوم و عید کے لئے کافی و موجب ہوگی۔ فرماتے ہیں:

ایک صورت یہ بھی متصور کہ دوسرے شہر سے جماعاتِ کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے عام لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے

تھے۔ جن کا بیان مورثِ یقینِ شرعی تھا۔ ظاہر اس تقدیر پر وہاں کسی ایسے حاکمِ شرع کا ہونا ضروری نہیں کہ رویت فی نفسہا حجتِ شرعیہ ہے لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صوموا لرویتہٖ وافطروالرویتہٖ جب جماعتِ تواتر جماعتِ تواتر سے ان کی رویت کی ناقل ہے تو رویت بالیقین ثابت ہو گئی۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۵۳)

اس سے ثابت ہوا کہ قاضی یا چند افراد کا متعدد مقامات سے رویت یا حکم کی خبریں حاصل کرنے کی کوشش کرنا، اس زعم پر کہ استفاضۂ شرعیہ ہو جائے گا۔ یہ دربارۂ ہلال استفاضۂ شرعیہ کو نہ سمجھنے سے ناشی ہے۔ کیونکہ وہ خبریں ہزاروں ہوں، اور بالفرض ہر تہمت واشتباہ سے بری ہوں۔ تو بھی قاضی یا چند انفار واحد وآحاد ہیں۔ اہل بلدۂ اخریٰ نہیں۔ اور استفاضہ وہ ہے جو استفاض فیما بین اھل البلدۃ الاخریٰ ہو۔

پھر استفاضہ کی جس صورت میں نقلِ حکم ہوتا ہے، اس کے لئے بلدۂ ثبوت میں جن شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ آج ان شرطوں پر پورے اترتے بلاد کتنے ہیں؟

لہٰذا امام اہلسنت قدس سرہٗ نے زیر استفاضۂ مذکور فرمایا:

تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضیِ شرع نہ مفتی اسلام، یا مفتی ہے مگر نااہل جسے خود احکام شرع کی تمیز نہیں، جیسے آج کل کے بہت مدعیانِ خامکار، خصوصاً وہابیہ، خصوصاً نامقلدین وغیرہم فجّار، یا بعض سلیم الطبع سنی ناقص العلم ناتجربہ کار، یا مفتی محقق معتمد عالمِ مستند ہے۔ مگر عوام خود سر اس کے منتظرِ احکام نہیں، پیشِ خویش اپنے قیاساتِ فاسدہ پر جب چاہیں عید و رمضان قرار دے لیتے ہیں، ایسے شہروں کی شہرت، بلکہ تواتر بھی اصلاً قابلِ قبول نہیں، کہ اس سے کسی حجتِ شرعیہ کا ثبوت نہ ہوا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۵۲)

نیز فرمایا:

یہاں عامۂ بلاد میں نہ حاکم شرعی، نہ لوگ پابندِ احکام شرعی، پھر استفاضہ ہوا بھی تو کیا وَحَسْبُنَااللّٰہُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۶۴۱)

آج کیا انقلابِ زمانہ سے صلاح وفلاح کا دور دورہ ہو گیا، بے علم ناخواندہ اہلِ علم پر اپنی بالا دستی میں اپنی چلتی کون سا دقیقہ فروگذاشت کرتے ہیں، گو صورتاً صف متبع میں رہتے ہیں، وہ بھی محض الزام سرکشی کے دفعیہ کے لئے، پھر ان کی ان کے حسب مرام مقتدائی کے لئے ایک نہیں کئی متسمین علم انہیں فراہم ہیں، جن کی ہمّ افکار تحصیلِ دنیائے دنی میں گم، وہ ہزار جان سے ان کی تکمیل اہوا کے لئے ساعی وتیار فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم دیا، اور نورِ بصیرت سے نوازا، ان کے خوف واحتیاط کا یہ عالم ہے، کہ دو ہم مخالف استفاضے ایک انیتس کا دوسرا تیس کا ان کے شہر کو پہنچے، تو وہ غور فرماتے ہیں کہ پہلا کیا دوسرے کا مزاحم ہو سکے گا؟ جیسے بحالِ صفائے مطلع جمّ غفیر میں سے دو ایک کو نظر آنا مقبول نہیں ہوتا۔ چنانچہ زیرِ استفاضہ فرماتے ہیں:

قد وقعت ھذہ الحادثۃ فی دمشق سنۃ ۱۲۳۹ تسع و ثلاثین ومائتین والف، ثبت رمضان بدمشق لیلۃ الجمعۃ بعد شعبان ثلاثین و کان فی السماء علۃ فی تلک اللیلۃ، ثم استفاض الخبر عن اھل بیروت واھل حمص انھم صاموا الخمیس لکن استفاض الخبر عن عامۃ البلاد سوی ھذین البلدین انھم صاموا الجمعۃ مثل دمشق، فھل تعتبر الاستفاضۃ الاولیٰ فی مخالفتھا للثانیۃ اولا بناء علی ان الظاھر یقتضی غلط اھل تلک

البلدتين نظير مامر لو كانت السماء مصحية ورأي الهلال واحد لا يعتبر لأن التفرد من بين الجم الغفير ظاهر فى الغلط مع انه ليس بين تلك البلاد بُعْد كثير بحيث تختلف به المطالع ، لكن ظاهر الاطلاق يقتضى لزوم عامة البلاد ما ثبت عن بلدة اخرىٰ ،فكل من استفاض عندهم خبر تلك البلدة يلزمهم اتباع اهلها، ويدل عليه قوله:ويلزم اهل المشرق بروية اهل المغرب اذ ليس المراد باهل المشرق جميعهم بل بلدة واحدة تكفى كما لا يخفى(منحة الخالق على البحر الرائق، ج ٢، ص ١٧٤علامه ابن عابدين شامی قدس سرہٗ السامی) یہ واقعۂ استفاضہ ۱۲۳۹ھ میں دمشق میں پیش آیا، دمشق میں ماہِ رمضان تیس شعبان کے بعد شبِ جمعہ کو ثابت ہوا، شعبان کی تیسویں شب آسمان میں ابر تھا، پھر اہلِ بیروت اور اہل حمص سے خبرِ مستفیض آئی، کہ ان لوگوں نے جمعرات کو روزہ رکھا، لیکن ان دو کے علاوہ عامۂ بلاد سے خبرِ مستفیض آئی، کہ ان کے سکان نے دمشق ہی کی طرح جمعہ کو روزہ رکھا، تو آیا پہلا استفاضہ دوسرے کی مخالفت میں مانا جائے گا ؟یا نہیں ؟بنابریں کہ ظاہر اس کو مقتضی ہے کہ ان دو شہر والوں سے غلطی ہوئی۔ جیسے جب آسمان صاف ہو اور کسی ایک کو ہلال نظر آئے تو نہیں مانا جاتا، کہ جماعتِ عظیم میں سے تنہا ایک کو نظر آنا اس ایک کی غلطی میں ظاہر ہے۔ پھر ان بلاد میں کوئی ایسا زیادہ فاصلہ نہیں جس سے اختلافِ مطالع ہو (جس سے ان دو شہروں میں نظر آنا، اور دیگر بلاد میں نظر نہ آنا، بعید نہ رہے) لیکن (دربارۂ استفاضہ کلماتِ علماء میں نا صفائی مطلع یا کثیر فاصلہ کی قید نہیں) تو یہ ظاہرِ اطلاق مقتضی ہے، کہ عامۂ بلاد کو جو دوسرے شہر سے ثابت ہوا لازم ہے، تو جن لوگوں تک بھی اس شہر اس شہر کی خبر مستفیض پہنچی، ان پر اس شہر ثبوت کے ساکنین کی اتباع لازم ہے۔ اور اس پر یہ قولِ بحر دلیل ہے ، کہ اہل مشرق پر اہل مغرب کی رویت سے صوم وافطار لازم ہے، کیونکہ اہل مشرق سے مراد تمام بلادِ شرقیہ نہیں، بلکہ ایک شہر کافی ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔

دور دراز مقامات یا پورے ملک کو، خبر رسانی کے جدید آلہ جات، ظاہر باہر طریقے پر غلبۂ ظن نہیں کراسکتے ۔اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو توپ کے فیر اور قندیلوں کی روشنی کو رویت کے طُرُقِ موُجِبہ سے شمار کیا، تو اس کا سر بھی واضح فرمادیا کہ لانہ علامۃ ظاهرۃ تفید غلبۃ الظن (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۵۵ ردالمحتار، ج ۲، ص ۹۹)

یعنی یہ ایک کھلی نشانی اور ظاہر باہر علامت ہے جو غلبۂ ظن کرادیتی ہے ۔جدید آلہ جات کا اعلان جب دور دراز مقامات کو پہنچے گا، تو وہ ظاہر باہر ثبوت نہیں ہوگا۔اور خارجی قرائن یا اپنے مقبولات و مسلمات ذاتی معلومات سے اگر غلبۂ ظن ہو، تو ظاہر ہے کہ وہ ظاہر باہر غلبۂ ظن نہیں ہوگا۔ بلکہ ذاتی انفرادی غلبۂ ظن ہوگا۔اور وہ وہی یقینِ عرفی ہے، جو دربارۂ ہلال بکار آمد نہیں جیسا کہ گذرا۔

یونہی ہدایہ و فتح القدیر میں جو فرمایا:

لو سمع من وراء حجاب كثيف لا يشف من ورائه لا يجوز له ان يشهد لان النغمة تشبه النغمة الا اذا احاط بعلم ذلك لان المسموع هو العلم غير ان رويته متكلما با لعقد طريق العلم به فاذا فرض تحقق طريق آخر جاز (فتح القدير كتاب الشهادات، ج٧، ص ٣٥٨) دبیز آڑ جس سے پار کچھ نظر نہ آئے اس کے پیچھے سے کچھ سنا تو شہادت نہیں دے سکتا۔اس لئے کہ آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے، مگر جب کہ اس کو پوری طرح جان لے ،کیونکہ شہادت کو روا ٹھہرانے والی چیز علم ہے ۔ہاں آدمی کو عقد کی بات چیت کرتے ہوئے دیکھنا علم کا ایک ذریعہ ہے، تو جب یہ صورت ہو

کہ علم کا کوئی اور ذریعہ پایا گیا تو شہادت دینا روا ہو گا۔

اس سے اپنے مقبولات و مسلمات کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم مراد نہیں کہ وہ وہی یقینِ عرفی ہے، جو شرعاً مقبول و معتبر نہیں۔ بلکہ وہ علم و یقین مراد ہے۔ جو ظاہر باہر طریقے سے ہو۔

ولہٰذا علامہ ابن ہمام قدس سرہٗ نے اس کی تصویر یہ پیش کی:

و ذلک بان یکون دخل البیت فراہ فیہ و علم انہ لیس بہ احد غیرہ ولا منفد غیر البابوھو قد جلس علیہ و سمع الاقرار او البیع فانہ حینئذ یجوز لہ الشھادۃ علیہ بما سمع لانہ حصل بہ العلم فی ھذہ الصورۃ (فتح القدیر کتاب الشھادات ،ج۷،ص۳۵۸) جیسے گھر میں جاکر دیکھا اور جان لیا کہ اس گھر میں ایک شخص کے علاوہ کوئی نہیں اور دروازے کے سوا اس گھر میں گھسنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اب دروازے پر بیٹھ گیا اور اقرار یا بیع سنا تو جو کچھ سنا اس کی اس شخص کے خلاف شہادت دے سکتا ہے کہ اس صورت میں یقیناً اسے علم حاصل ہے۔

ولہٰذا ٹیلیفون کے ذریعہ خبرِ رویت کی بے اعتباری کا حکم دے کر امام اہلسنت قدس سرہٗ نے فرمایا **وصورۃ الثّنیاالتی ذکر لا تحقق لھا فیما نحن فیہ کما لا یخفی**، مستثنیٰ کی جو صورت ذکر فرمائی، مسئلہ دائرہ میں قطعاً نہیں پائی جاتی ، جیسا کی مخفی نہیں ۔(فتاویٰ رضویہ ،ج۴،ص۵۲۷)

مسلمانوں پر شریعتِ مطہرہ نے یہ لازم نہیں فرمایا کہ انیتس کی رویت اگر تمہیں نہ ہو، تو ضرور ہی کہیں سے تلاش کر کے لاؤ، یا تمہیں ہوگئی تو ضرور ہی دور دراز شہروں کو اسے پہنچاؤ، ہر گز نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا:

صوموا لرؤیتہ وافطروالرؤیتہ فان اغمی علیکم فاکملواعدۃ شعبان ثلثین(بخاری شریف کتاب الصوم ،ج۱ص۲۵۶)' چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر ختم کرو۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو، تو تیس کی گنتی پوری کر لو۔ (فتاویٰ رضویہ ، ج۴، ص۵۷۵)۔ ''مسلمانوں کو حکم سے غرض ہے تیس انیتس سے کیا کام ''۔(فتاویٰ رضویہ ،ج۴،ص۵۲۸)

مسلمان اس کے محتاج ہیں، کہ انہیں اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بندگی ،اور فرمانِ خدا اور رسول کے سامنے سچے دل سے سر افگنی سکھائی جائے ،علامہ سید محمد ابن عابدین شامی تمام دیارِ شامیہ کے مفتیِ اجل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ،بلا ثباتِ شرعی ماہِ رمضان کا روزہ شروع کر لینے سے ، مسلمانوں کو روکا، اگرچہ بارہا ایسا ہوا، کہ ثبوت ملنے پر ،یکم رمضان کا روزہ آپ نے قضا رکھا ،اور مسلمانوں سے رکھوایا، مگر حکم کی بندگی کرنا کرانا سکھایا، چنانچہ **منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الصوم ج۲،ص۴۶۹** میں فرماتے ہیں:

قلّ ما یُری الھلال فیھا (ای فی دمشق)فی لیلتہٖ وقد وقع فی زمنی غیر مرۃ قضاء نا یوما افطرناہ من اولہ' دمشق میں انیتس کو ہلال کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ میرے زمانے میں بارہا ایسا ہوا کہ یکم رمضان کا روزہ، جو ہم نے نہ رکھا تھا، اسے قضا رکھا۔

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے **الفتاوی الفقھیۃ الکبریٰ** میں جو فرمایا:**(واقل عدد المستفیض اثنان وھو قول الفقھاء (کتاب الصوم ،ج۲،ص۶۱)**اس سے حسب مصطلح شوافع مراد یہ ہے کہ جو رویت حدیث دو طرق سے مروی ہو وہ فقہاء کے لئے استنباط احکام میں حدیث مستفیض کا درجہ رکھتی ہے ۔نہ یہ کہ **دربارۂ ہلال** دو کا بیان فقہاء کے نزدیک استفاضہ ہو جائے گا۔ حاشا۔ امرِ ہلال میں فقہاء کے

نزدیک استفاضہ کیاہے ؟اسے تو علامہ ابن حجر نے وہیں اسی بیان میں تین سطر بعد خود ہی تحریر فرمادیا کہ ’’ومن ثم قال الفقهاء يشترط فى الاستفاضة ان يسمع الشاهد من جمع كثيرين يقع فى نفسه صدقهم ويؤمن توافقهم على الكذب فلا يكفى سماعه من عدلين لم يشهداه علىٰ انفسهم ‘‘دیکھو! کتنا صاف فرمایاکہ ،استفاضہ میں ایسی جماعت کثیرہ سے سنناضروری ہے، جن کے بیان کی سچائی پر دل کو اطمینان ہوجائے ،اور یہ کھٹکانہ رہ جائے کہ ان لوگوں نے اس معاملے میں کذب بیانی پر ایکہ کرلیاہوگا۔مزید برآں اس پر یہ تفریع بھی ذکر فرادی کہ استفاضہ مین دوعادلوں سے سنناکافی نہیں۔

تو وہ قول بالا، کہ وہ بھی فقہاء ہی سے انہوں نے نقل کیا،اس کا یہ مطلب ہوکہ دربارۂ ہلال استفاضہ میں دوکا بیان کافی ہے،تو صریح تعارض قولین ہوجائے گا۔

فقیہ حنبلی سلیمان بن عبد القوی طوفی نے شرح مختصر الروضۃ میں اگر یہ کہا کہ مفہوم استفاضہ میں تواتر ماخوذ نہیں۔تو دو تین چار معدودے چند کی خبر کو روایات اثر واحکام موت ونسب ووقف وغیرہ میں نا مستفیض ہی کہا، چہ جائیکہ استفاضۂ ہلال ،اور اس کو بھی رد کردیا کہ ایسی خبر مستفیض ہو جاتی ہے۔بلکہ دربارۂ مستفیض اپنی تحقیق میں وہ شیوع معتبر مانا جس مین کذب کا امکانِ عادی نہ رہے ،اور یہ اس کثرت میں ہوتاہے جو بالغ مبلغ تواتر ہو،ان کی عبارت یہ ہے:’’**وايضا الخبر اماتواتر:وقدعرف،او آحاد:وهو اما مستفيض،(اوغير مستفيض)وهو بقية الآحاد۔**

قلت:المستفيض ماخوذمن:فاض الماءوالاناء ونحوه :اذامتلا،حتى تبدد الماء من حافاته ،كما فى شرح الخطبة،والتحقيق فى الخبر المستفيض بموجب هذاالاشتقاق،وبموجب عرف الناس:انه الخبر الشائع الذائع،المنتشر فى الناس انتشار ايبعدمعه الكذب عادة ،وهوالذى يثبت به الموت ،والنسب ،والملك المطلق،والنكاح،والوقف ومصرفه،والعتق،والولاء ،والولاية،والعزل،والخلع،والطلاق على الصحيح فيه من حيث النظر۔

فامامن اعتبر فيه دعءايقع العلم بخبره على ظاهر كلام احمدوالخرقى ،فهواعتبار التواتر فيه ،وليس بمعتبر فى الاستفاضة۔

واما اكتفاء القاضى فيه باثنين فصاعدا،وقول من قال :ثلاثة فصاعدا،فليس لان المستفيض ذلك، بل لان الغالب فيما اخبر به اثنان او ثلاثة فصاسداانه مستفيض عند هذاالقائل ،وهو ممنوع،والتحقيق فى المستفيض ماذكرناه(شرح مختصر الروضة،تعريف الاحاد ج۲،ص۱۰۸۔۱۰۹)

فليكن التحقيق محمولا على الشيوع فى المرتبة الثانية وبذلك يكون المستفيض احد قسمى الأحاد ولا يعارض قوله الآتى ’’وليس معتبر افى الاستفاضة‘‘وحينئذ كانّه الموافق لما قال الحنفية فى الروايات للاثر كمافى المسلّم والفواتح۔

فقط والله ورسوله اعلم بالصواب جلّ وعلا وصلى الله تعالىٰ عليه واٰله وسلم۔

كتبه الفقير
محمد كوثر حسن السنّى الحنفى القادرى الرضوى غفرله

۱۱صفر المظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۶دسمبر۲۰۱۳ء

قارئین کرام،اور مضامین نگار حضرات اپنے مضامین اور تبصرہ اس پتہ پر بھیج سکتے ہیں۔ماہنامہ سنی آواز
گانجہ کھیت، بھنڈارہ روڈ، ناگپور۔۱۸
mail@sunniawaz.com
www.sunniawaz.com
Mob:- 09561080392

باسمہ تعالیٰ وتقدس

ٹیلیفون اور موبائل کی وباء تو عام ہے ہی!

از: حضرت علامہ مفتی فضل احمد مصباحی، مفتیٔ جامعہ عربیہ ضیاء العلوم، بنارس (قاضیٔ شہر، کٹیہار (بہار)

آج کل موبائل کے ذریعہ چاند کے ثبوت کیلئے عوام سے کہیں زیادہ بعض جدت پسند علماء ضرورت سے زیادہ کوشاں نظر آتے ہیں اور طرح طرح کے شگوفے نکالتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک گمنام استفتاء جو ایک عالم دین کی تحقیق کے حوالہ سے ہے اس وقت موضوع بحث ہے۔ اس استفتاء کا یہ اقتباس حیرت و استعجاب کے ساتھ بار بار پڑھے جانے اور علم و تحقیق کے حوالہ سے اظہار افسوس کے قابل ہے۔ وہ اقتباس یہ ہے: "زید جو ایک عالم دین ہے وہ اس صورت کو استفاضہ میں داخل مانتا ہے اور کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے تار کی خبروں کو مطلقاً بے اعتبار نہیں قرار دیا بلکہ یہ فرمایا کہ تار کی خبروں پر بے تحقیق عمل نہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں... "تار کی خبر مجہولین فساق بلکہ بعض کفار کی وساطت سے آتی ہے اور ایسی خبر میں شرع نے فرض کیا تھا کہ زنہار بے تحقیق عمل نہ کریں۔" (بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج۵، ص۵۲۱)

اس اقتباس میں سائل نے عالم دین کے حوالہ سے جو بات نقل کی ہے اس میں انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے مطلقاً تار کی خبر کو بے اعتبار قرار دیا، اور اپنے دعویٰ پر اعلیٰ حضرت کے اس قول سے استشہاد پیش کیا ہے۔

"تار کی خبر مجہولین فساق بلکہ بعض کفار کی وساطت سے آتی ہے اور ایسی خبر میں شرع نے فرض کیا تھا کہ زنہار بے تحقیق عمل نہ کریں۔"

اب ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ کیا واقعی اعلیٰ حضرت نے تار کی خبر کو مطلقاً غیر معتبر نہیں قرار دیا ہے؟

جب اس تعلق سے ہم نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے کلام کا مطالعہ کیا تو یہ بات متحقق ہو گئی کہ ایسا کچھ نہیں، بلکہ اس کے عین برعکس اعلیٰ حضرت نے تار کی خبر کو باب ہلال میں مطلقاً غیر معتبر قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام احمد رضا قدس سرہٗ راقم ہیں: ... "تار کی خبر معتبر ہی نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۵۸۷) (مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن) اس قول میں لفظ "ہی" یہ بتا رہا ہے کہ تار کی خبر مطلقاً غیر معتبر ہے۔

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں: "اوپر معلوم ہوا کہ تار پر افطار حرام ہے اور اس پر عید کر کے نماز پڑھنا بھی گناہ اور وہ نماز نہ ہوگی کہ سردار در کنار شریعت ہی کی رضا نہیں کہ پیش از وقت ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج۸، ص۵۸۷)

اگر تار کی خبر مطلقاً غیر معتبر نہیں تو اس کی خبر پر افطار مطلقاً حرام کیسے ہو گیا۔؟

اس سے واضح تر عبارت ملاحظہ فرمائیں: امام ممدوح راقم ہیں: .... "تار کی خبر شرعاً محض نامعتبر کما حققناہ فی فتوی مفصلۃ بما لامزید علیہ۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰، ص ۳۶۴)

"محض نامعتبر" کا لفظ لیا اس باب میں صریح نہیں کہ تار کی خبر مطلقاً غیر معتبر ہے۔؟

اسی سے ملتی جلتی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

"امور شرعیہ میں تار کی خبر محض نامعتبر اور یہ طریقہ کہ تحقیق ہلال کے لئے تراشا گیا باطل و بے اثر مسلمانوں کو ایسے اعلان پر عمل حرام۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰، ص ۳۶۳)

لفظ "محض نامعتبر" کا مفہوم عالم تو عالم ہر عاقل و دانش

ور بھی اچھی طرح جانتا ہے۔تار کی خبر مجہولین وفساق کے ذریعہ ہی آتی ہے اس لئے وہ جب بھی آئے گی غیر متحقق اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہی ہوگی۔اگر تار کی خبر کا متحقق طریقے سے آنا ممکن ہوتا تو اعلیٰ حضرت ہر گزیہ نہ فرماتے۔

”جو یہاں تار کی خبر پر عمل چاہے اس پر لازم کہ شرعاً اس کا موجب وملزم ہوناثابت کرے مگر حاشانہ ثابت ہوگا جب تک ہلال مشرق اور بدر مغرب سے نہ چمکے، پھر شرع مطہر پر اصلاً زیادت اور منصب رفیع پر جرأت کس لئے والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ “۔(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰، ص۳۶۵)

اگر تار کے ذریعہ متحقق خبر کاآنا ممکن ہوتا تو اعلیٰ حضرت یہ کیوں فرماتے کہ جب تک چاند یورپ سے اور سورج پچھم سے نہ نکلے گا تار کی خبر کا متحقق ہوناثابت نہ ہوسکے گا۔

اوروں کے تار کی خبر جانے دیجئے خود قاضیٔ شرع کا تار بھی مطلقاً غیر معتبر ہے۔چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

”اور جب شرعاً قاضی کا تار یوں بے اعتبار تواوروں کے تار کی جو ہستی ہے وہ ہماری تقریر صدر سے آشکار کہ مقبول الکتاب کا تار ناچیز تو مردود الکتاب کا تار کیا چیز ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز۔“(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰، ص۳۶۹)

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زید عالم دین نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی طرف جو بات منسوب کی (اعلیٰ حضرت نے تار کی خبروں کو مطلقاً بے اعتبار نہیں قرار دیا) وہ غلط بے بنیاد اور خود اعلیٰ حضرت کی واضح تصریحات کے خلاف اور اعلیٰ حضرت پر الزام کے مترادف ہے۔کمالا یخفی علیٰ اولی النھیٰ۔

زید عالم دین نے اپنے دعویٰ پر اعلیٰ حضرت کے قول سے جو استشہاد پیش کیا ہے وہ بھی غلط فہمی کا نتیجہ ہے اتنی سی بات تو ابتدائی درجہ کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ شکل اول کا نتیجہ بدیہی ہوتا ہے، جس پر کوئی دلیل نہیں دی جاتی۔چنانچہ شرح مرقات میں ہے:”**قولہ ولذٰلک کان انتاجہٗ بیناً بدیھیاً لا ریب ان انتاج الشکل الاول بین بدیھی وغیرہ من الا شکا ل المنتبحۃ راجع الیہ۔**“(شرح مرقات ص ۳۱۱)

حمد اللہ میں ہے:”**فالا وسط اما محمول الصغری وموضوع الکبریٰ وھو الاول لا نہ علی نظم طبعی لانتقال الذھن فیہ من الاصغر الی الوسط ومنہ الی الکبر وھو ای الانتقال طبعی یتلقاہ الطبع السلیم بالقبول ویکون بین الانتاج۔**“(حمد اللہ ص ۱۶۵)

اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں جو تحریر فرمایا ہے وہ پوری عبارت یوں ہے:”تار کی خبر مجہولین فساق بلکہ بعض کفار کی وساطت سے آتی ہے اور ایسی خبر میں شرع نے فرض کیا تھا کہ زنہار بے تحقیق عمل نہ کریں قال اللہ تعالیٰ **یا ایھا الذین آمنو ا ان جاء کم فاسق بنبیاٍ فتبینوا**“(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰، ص ۳۶۳)

اعلیٰ حضرت کے اس قول میں مذکورۃ الصدر عبارت کا حصہ شکل اول کا صغریٰ ہے، اور مشاہدات وتجربات کی روشنی میں وہ اس قدر واضح ہے کہ محتاج دلیل نہیں۔ہاں البتہ کبریٰ (فساق کی خبر میں شرع نے فرض کیا تھا کہ زنہار بے تحقیق عمل نہ کریں) محتاج دلیل تھا، لہٰذا قال اللہ سے اس کی دلیل بیان کردی۔اعلیٰ حضرت کے ارشاد کا مطلقاً یہ مطلب نہیں کہ ”تار کی خبر مطلقاً بے اعتبار نہیں۔“ جیسا کہ زید نے سمجھ رکھا ہے۔اگر زید کی بات صحیح ہو تو قال اللہ کہکر اعلیٰ حضرت نے دلیل بیان کی ہے وہ دلیل، دلیل کبریٰ نہ ہوگی، دلیل نتیجہ ہوگی، اور ہم ثابت کرآئے کہ شکل اول نتیجہ بدیہی ہوتا ہے جس پر دلیل نہیں قائم کی جاتی۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے تار کے غیر معتبر ہونے کی الگ وجوہات بیان کی ہیں اور ٹیلیفون کے غیر معتبر ہونے کی الگ وجوہات بیان کی ہیں۔لہٰذا اگر تار کے غیر معتبر ہونے کی وجوہات ٹیلیفون میں نہیں پائی جاتیں تو ٹیلیفون معتبر کیسے ہوجائے گا

۔؟کیا ٹیلیفون کے غیر معتبر ہونے کی جو وجوہات اعلیٰ حضرت نے بیان کی ہیں وہ وجوہات اب نہیں پائی جارہی ہیں؟زید کا یہ کہنا کہ ”اعلیٰ حضرت کے دور میں ٹیلیفون کی خبریں بھی ان ہی وساطت سے موصول ہوا کرتی تھیں جن وسائط سے تار کی خبریں موصول ہوا کرتی تھیں۔“

دعویٰ محض ہے اور حقیقت واقعہ سے لا تعلق ہے۔اگر بات یہی حق تھی تو اعلیٰ حضرت کو ٹیلیفون کو غیر معتبر قرار دینے کیلئے اتنا ہی کہدینا کافی تھا۔

”ٹیلیفون کی خبریں مجھولین فساق بلکہ بعض کفار کی وساطت سے آتی ہیں۔“

پوری فتاویٰ رضویہ تلاش کر ڈالیئے کہیں بھی آپ کو اس قسم کی تحریر نظر نہ آئے گی۔معلوم ہوا کہ ٹیلیفون کے غیر معتبر ہونے کی وجہ وہ نہیں ہے جو زید بتارہے ہیں۔بلکہ اعلیٰ حضرت نے اس کے عدم اعتبار کی بنیاد مشابہت آواز پر رکھی،نہ کہ فساق کی وساطت پر۔فتاویٰ رضویہ میں مذکور سوال کے الفاظ پر غور کیجئے تو آفتاب نیمروز کی طرح یہ واضح ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں ٹیلیفون کی خبریں مجھولین فساق کی وساطت سے نہیں آتی تھیں بلکہ خود فون کرنے والا سننے والے سے براہ راست بات کرتا تھا۔چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

”اس ریاست میں ٹیلیفون کی وجہ سے بذریعہ ٹیلیفون رویت ہلال رمضان یا عید دوبدو آمنے سامنے دونوں مسلمان ہوں اور ایک جگہ کا مسلمان دوسرے کو خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا اور دوسرے جگہ والا بھی مسلمان ہو اور اس کی آواز پہچانتا ہو کہ فلاں شخص خبر دے رہا ہے تو اس کی آواز پہچان کر ان کے قول پر عمل کیا جائے گا یا نہیں۔“(فتاویٰ رضویہ ج۴ ص۵۲۸)

سوال کے مذکورہ الفاظ ایک بار نہیں کئی بار پڑھئے اور فکر سے کام لیجئے۔یہاں تار کی طرح کسی واسطہ کا ذکر کہاں ہے؟تو فون تار کی طرح کیسے ہو گیا یاللعجب۔

اب جواب ملاحظہ کیجئے:

”ٹیلی فون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچانی جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے۔“(فتاویٰ رضویہ ج۴ ص۵۲۹)

جواب کے الفاظ بھی بغور پڑھئے اور انصاف سے کام لیجئے کہ ٹیلیفون سے بات کرنے والا اگر پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں،اور اس عدم اعتبار کی وجہ مشابہت آواز ہے نہ کہ وساطت فساق۔کیا استفاضہ خبر امور شرعیہ میں نہیں آتا؟صرف شہادت ہی امور شرعیہ کے دائرہ میں آتی ہے؟پس منظر بعد میں دیکھئے،پہلے پیش منظر سامنے رہے اور اسی پر غور کیجئے۔

دوسری جگہ امام اہلسنت رقمطراز ہیں: ”تار کی محض بے اعتبار،یوں ہی ٹیلیفون اگر خبر دہندہ پیش نظر نہ ہو۔“(فتاویٰ رضویہ ج۴ ص۵۲۹)یعنی ٹیلیفون غیر معتبر ہے اگر خبر دہندہ پیش نظر نہ ہو۔اگر یہ مسئلہ شہادت کے پس منظر میں ہوتا تو اعلیٰ حضرت کو یوں کہنا چاہیے تھا:”ٹیلیفون غیر معتبر اگر شہادت دہندہ پیش نظر نہ ہو۔“

یہاں خبر دہندہ کا لفظ ہے،شہادت دہندہ کا نہیں۔لہٰذا پس منظر اور پیش منظر ٹیلیفون کی خبر کا غیر معتبر ہونا ہی ہے۔اور جب خبر غیر معتبر تو شہادت خود ہی غیر معتبر ہو جائے گی کما لایخفیٰ۔

زید کے کلام میں تضاد بیانی کا یہ نمونہ بھی قابل دید ہے۔لکھتے ہیں:”یہاں (ٹیلیفون میں) مخبرین ہی براہ راست خبریں دے رہے ہیں۔“ پھر لکھتے ہیں:”بلکہ واسطہ مخبرین کی ہی خبریں ہوا کرتی ہیں۔“

پہلے قول کا مفاد یہ ہے کہ مخبرین براہ راست بلا واسطہ

خبریں دے رہے ہیں یعنی خبریں بلا واسطہ پہونچ رہی ہیں۔اور دوسرے قول کا مفاد یہ ہے کہ مخبرین بالواسطہ خبریں پہونچا رہے ہیں اور وہ واسطہ خبریں ہی ہیں یعنی شئی واحد واسطہ بھی ہے اور ذی واسطہ بھی۔اور یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مخبرین کی خبریں واسطہ ہیں تو وہ کون سی چیز ہے کہ مخبرین اپنی خبروں کے واسطہ سے پہونچا رہے ہیں؟

جبکہ وہ پہلے لکھ چکے کہ خبریں بلا واسطہ پہونچ رہی ہیں، یعنی وہی خبریں بلا واسطہ پہونچ بھی رہی ہیں اور وہی خبریں واسطہ بن کر کوئی دوسری چیز پہونچا بھی رہی ہیں۔اب تو زید ہی بتا سکتے ہیں کہ وہ خبریں آخر کیا پہونچا رہی ہیں؟ یاللعجب۔

زید یہ بھی وضاحت کریں کہ ٹیلیفون میں مخبرین جب براہ راست خبریں دے رہے ہیں تو اس خبر کے پہونچانے میں ٹیلیفون اور موبائل کی قرار واقعی حیثیت کیا ہوگی؟

کیا کوئی آدمی ممبئی سے چلا چلا کر کٹیہار والوں سے کہے کہ میں نے چاند دیکھا اور موبائل کا واسطہ نہ ہو تو یہ آواز کٹیہار پہونچ جائے گی؟

اگر نہیں تو موبائل وغیرہ کو ساقط الاعتبار کر کے براہ راست خبریں پہونچانے کا کیا معنیٰ ومفہوم ہے۔؟

تار کے غیر معتبر ہونے کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت نے اتنی تفصیل کیوں بیان کی، اس کی وجہ بارہا بیان کی جا چکی بعض بد مذہب نے تار کی خبر کو خط پر قیاس کرتے ہوئے باب ہلال میں معتبر قرار دیا تھا، اعلیٰ حضرت نے اس کے رد میں کافی تفصیل کی۔اعلیٰ حضرت نے جابجا فقہاء کے قول سے استفاضہ کا معنیٰ بیان کر دیا ہے "یعنی گروہ کے گروہ آکر بیک زبان خبر دیں"۔اعلیٰ حضرت نے استفاضہ کا یہ معنیٰ کہیں بیان نہیں کیا ہے کہ "گروہ کے گروہ لوگوں کا آنا ضروری نہیں ہے، وہ اپنی آواز ہی پہونچا دیں جب بھی کافی ہے۔جبکہ قاعدہ ہے "السکوت فی معرض البیان بیان"۔پھر اعلیٰ حضرت نے عقود الدریہ کے حوالہ سے عبارت نقل فرمائی ہے اسے اعلیٰ حضرت کی طرف سے استفاضہ کے بیان کردہ معنیٰ کے تناظر ہی میں دیکھنا چاہیے۔

"ان یشتھر ویسمع من قوم کثیر" کے لفظ سے یہ سمجھ لینا کہ آکر خبر دینا ضروری نہیں صرف فضاء وہواء میں کلام سن لینا کافی ہے یہ خود اعلیٰ حضرت کی منشا و مرضی کے خلاف ہے، اور یہ "توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ القائل" کے قبیل سے ہے۔علماء وفقہاء اکثر مقامات پر حکم مطلق ذکر کرتے ہیں جبکہ وہ بعض مقامات پر قید کی صراحت کر دیتے ہیں، اور ان اطلاقات میں بھی ان کی مراد تقئید ہی ہوتی ہے۔

ردالمحتار ج اص ۴۵۰ میں ہے: "**عادتھم الاطلاق اعتبار أعلی التقئید فی محله**۔" اسی ردالمحتار میں ہے:

"**واذا صرّاح بعض الائمة بقید لم یرو عن غیرہ منھم تصریح بخلافه یجب ان یعتبر**۔" (ردالمحتار ج اص ۳۲۲)

شرح العقود میں ہے: "**کثیر أما یسقطو نھا ولا یصرحون بھا اعتماد أعلی المتفقه**۔" (شرح العقود ص ۹۷)

اسی طرح بحر کے حوالہ سے اعلیٰ حضرت نے جو عبارت نقل فرمائی ہے اور جسے زید نے بھی نقل کیا ہے وہاں بھی آکر خبر دینا ہی مراد ہے۔یہ مراد نہیں کہ ہزاروں میل کی مسافت طئے کرتے ہوئے جو آواز ہوا کے داش پر آئے گی وہ خواہی نخواہی مبنائے احکام ہوگی۔

الحاصل ثابت ہوا کہ زید نے جو باتیں ٹیلیفون اور موبائل کے معتبر ہونے کے تعلق سے کہی ہیں وہ بے بنیاد اور استدلال کی روشنی میں حق وصواب سے بہت دور ہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم علمہٗ اتم واحکم۔

کتبہ: افقر الوریٰ القاضی فضل احمد المصباحی

مورخہ: ۱۲۔۱۰۔۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۳ ستمبر ۲۰۱۱ء

جاگ سنسان سی ہے رات آئی گرگ بھر شکار پھرتے ہیں

ابراق بریلی فی رد فتنۂ دہلی

قسط دوم

از: حضرت مولانا شرف الدین رضوی، دہلی، نامہ نگار: روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اب ذیل میں چند فتاویٰ کو ذکر کیا جاتا ہے۔ دعا ہے مولیٰ تبارک وتعالیٰ ہمیں انہیں سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسئلہ: مسئولہ سید ایوب علی صاحب ساکن بریلی محلہ بہاری پور کسگران۔

جو شخص وہابیہ سے میل جول اور باہمی شادی بیاہ رکھتا ہو اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ وہابی ہے اس کے یہاں شادی بیاہ کر سکتے ہیں جب کہ یہ معلوم ہے کہ وہابیہ سے اس کا میل جول ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

وہابیہ سے میل جول رکھنے والا ضرور وہابی ہے کہ وہ وہابیہ کو گمراہ بددین نہیں جانتا تو خود گمراہ بددین ہے اس کے ساتھ مناکحت ہو ہی نہیں سکتی اور اگر ان کو گمراہ بددین جانتا اور کہتا ہے پھر بھی ان سے میل جول رکھتا ہے تو سخت فاسق بے باک ہے اس کی مناکحت سے احتراز چاہیئے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: از شہر محلہ قراولان مسئولہ عبد الکریم خیاط قادری رضوی ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا ارشاد ہے شریعت مقدسہ کا اس مسئلہ میں کہ زید بدمذہبوں کے یہاں کا کھانا اعلانیہ کھاتا ہے بدمذہبوں سے میل جول رکھتا ہے مگر خود سنی ہے اس کے پیچھے نماز کیسی ہے اور اس کی تراویح سننا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اس صورت میں وہ فاسق معلن ہے اور امامت کے لائق نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: از ریاست بھوپال ۱۳۰۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر بھوپال میں کچھ فرانسیسی کفار رہتے ہیں بعض اہل اسلام بے تکلف ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں یہ فعل شرعاً کیسا ہے اور یہ مسلمان اگر منع کیے سے نہ مانیں اور باقی مسلمان اس وجہ سے ان کے ساتھ کھانے سے احتراز کریں تو بجا ہے یا بے جا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک کفار سے ایسی مخالطت اور ان کے ساتھ ہم پیالہ وہم نوالہ ہونے سے بہت ضرور احتراز کرنا چاہیئے خصوصاً جہاں اسلام ضعیف ہو شرع مطہر سے بہت دلائل اس پر قائم جن کے بعض کہ اس وقت کی نظر میں ذہن فقیر میں مستحضر ہوئے مذکور ہوتے ہیں۔ **اول:** قال اللہ عزوجل **و اما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظٰلمین**۔ اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں

کے پاس نہ بیٹھواور کافر سے بڑھ کر ظالم کون ہے قال اللہ جل جلالہٗ ۔**فمن اظلم ممن کذب علی اللہ و کذب بالصدق اذاجاءہٗ الیس فی جہنم مثویً للکافرین** ۔اس سے بڑھ کر ظالم کون جس نے خدا پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا کیا نہیں ہے دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا جب کافر حد درجہ کا ظالم کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا تو شیر و شکر وہم کاسہ ہونا تو اور بدتر ہے۔**دوم:** رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **من جامع المشرک وسکن معہ فانہ مثلہ**۔جو مشرک سے یکجا ہو اور اس کے ساتھ رہے وہ اسی مشرک کے مانند ہے **رواہ ابوداؤد عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باسناد حسن وعلقہ عندہ الترمذی**۔**سوم:** فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ **انا بریٔ من کل مسلم مع مشرک لاتریٰ ناراھما** میں بے زار ہوں اس مسلمان سے جو مشرکوں کے ساتھ ہو مسلمان اور کافر کی آگ آمنے سامنے نہ ہونا چاہیئے (یعنی دوری لازم ہے) **فی النہایہ قلت والحدیث نحوہ عند ابی داؤد والترمذی بسند رجالہ ثقات**۔**چہارم:** فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ **لاتصاحب الامؤمناً ولا یأکل طعامک الاتقی** صحبت نہ رکھ مگر ایمان والوں سے اور تیرا کھانا نہ کھائیں مگر پرہیزگار۔**رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ باسانید صحاح**۔**پنجم:** فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ **انما مثل الجلیس الصالح وجلیس السوء کحامل المسک ونافخ الکیر فحامل المسک اما ان یحذیک واما ان تبتاع منہ واما ان تجد منہ ریحاً طیبۃً ونافخ الکیر اما ان یحرق ثیابک واما ان تجد منہ ریحاً خبیثۃً** نیک ہم نشیں اور بد جلیس کی مثال یوں ہے جیسے ایک کے پاس مشک ہے اور دوسرا دھونکنی دھونک رہا ہے مشک والا یا تو تجھے مشک ویسے ہی دے گا یا تو اس سے مول لے گا اور کچھ نہ سہی تو خوشبو تو آئے گی اور وہ دوسرا یا تیرے کپڑے جلادے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا۔**رواہ الشیخان عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ**۔انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں۔**مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبک من سوادہٖ اصابک من دخانہ** ۔یعنی بدوں کی صحبت ایسی ہے جیسے لوہار کی بھٹی کہ کپڑے کالے نہ ہوئے تو دھواں جب بھی پہنچے گا۔**رواہ ابوداؤد والنسائی**۔حاصل یہ کہ اشرار کے پاس بیٹھنے سے آدمی نقصان اٹھاتا ہے۔**ششم:** حدیث میں ہے حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں **ایاک وقرین السوء فانک بہ تعرف**۔برائے مصائب سے بچ کہ تو اسی کے ساتھ پہچانا جائے گا۔رواہ ابن عساکر عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی جیسے لوگوں کے پاس آدمی کی نشست وبرخواست ہوتی ہے لوگ اسے ویسا ہی جانتے ہیں ۔**ہفتم:** فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اعتبروا الصاحب بالصاحب آدمی کو اس کے ہم نشین پر قیاس کرو۔رواہ ابن عدی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔**ہشتم:** حدیث میں سید عالم ﷺ فرماتے ہیں ۔لاتجالسوا اھل القدر ولا تفاتحوھم منکران تقدیر کے پاس نہ بیٹھو نہ انہیں اپنے پاس بٹھاؤ نہ ان سے سلام کلام کی ابتدا کرو۔رواہ احمد وابوداؤد والحاکم۔**نہم:** حدیث میں سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں۔**ان اللہ اختارنی واختارلی اصحاباً وسیأتی قوم یسبونھم وینقصونھم فلاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم** ۔بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب واصہار پسند کئے اور قریب ایک قوم آئے گی کہ انہیں برا کہے گی اور ان کی شان گھٹائے گی تم ان کے پاس مت بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی

پینانہ کھانا کھانانہ شادی بیاہ کرنا رواہ ابن حبان والعقیلی واللفظ لہٗ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اہل بدعت اوراصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے براکہنے والوں کے لیے یہ حکم ہیں تواہل کفراور عیاذاًباللہ خدااور سول کی جناب میں صریح گستاخیاں کرنے والوں کی نسبت کس قدر سخت حکم چاہیئے۔**دہم:** حدیث میں ہے سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں تقربوا الی اللہ ببغض اھل المعاصی والقوھم بوجوہ مکفھرۃ والتمسوا رضا اللہ بسختھم وتقربوا الی اللہ بالتباعد عندھم۔اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کرو اہل معاصی کے بغض سے اور ان سے تُرش روئی کے ساتھ ملواور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان کی خفگی میں ڈھونڈواور اللہ کی نزدیکی ان کی دوری سے چاھو۔رواہ ابن شاھین کتاب الامراء عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔کافروں سے بڑھ کر اہل معاصی کون ہے جو سراپا معصیت ہیں اور ان کے پاس حسنہ کانام ہونا محال۔**یازدہم:** تجربہ شاہد کہ ساتھ کھانا مورثِ محبت ووداد ہوتاہے اور کفار کی موالات سمِ قاتل ہے۔قال اللہ تعالیٰ ومن یتولھم منکم فانہٗ منھم جو تم میں ان سے دوستی رکھے گاانہیں میں شمار کیاجائے گا۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ۔المرء مع من احب آدمی اپنے دوست کے ساتھ ہے (یعنی حشر میں)رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی عن انس والشیخان عن ابن مسعود واحمد ومسلم عن جابر والترمذی عن صفوان بن عسال وابوداؤدنحوہ عن ابی ذروفی الباب عن علی وابی ھریرۃ وابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ۔اور فرماتے ہیں ﷺ ثلاث احلف علیھن وعدمنھا لایحب رجل قوماً الاجعلہ اللہ معھم۔میں قسم کھاکر فرماتاہوں جو شخص کسی قوم سے دوستی کرے گااللہ تعالیٰ اسے انہیں کا ساتھی بنادے گا۔رواہ احمدوالنسائی والحاکم والبھیقی عن ام المؤمنین الصدیقہ والطبرانی فی الکبیر وابویعلیٰ عن ابن مسعود وایضاًفی الکبیر عن ابی امامۃوفی الاوسط والصغیر عن امیر المؤمنین علی رضی اللہ توالیٰ عنھم باسانید جیاد ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے حضور پُر نور ﷺ فرماتے ہیں من احب قوماً حشرہ اللہ فی زمرتھم۔ہر قوم کے دوستوں کواللہ تعالیٰ انہیں کے گروہ میں اٹھائے گا۔رواہ ایضاًفی المختارۃ والطبرانی فی الکبیر ۔**دوازدہم:** بے شک یہ حرکت مسلمانوں کے لئے موجبِ نفرت ہوگی اور بلاوجہ شرعی مسلمانوں کو متنفر کرنا جائز نہیں ۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بشروا ولاتنفروا۔دل خوش کرنے والی بات کہواور نفرت نہ دلاؤ۔رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم والنسائی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔**سیزدہم:** اقل درجہ اتناتو ہے کہ یہ بات سننے والوں کوخوش نہ آئے گیاور ایسے فعل سے شرع میں ممانعت ہے حدیث میں آیاسید الکونین ﷺ نے فرمایاایاک ومایسوء الاذن بچ اس بات سے جوکان کوبری لگے۔رواہ احمد عن ابی الغاویۃ والطبرانی فی الکبیر وابن سعد فی الطبقات والعکسری فی الامثال وابن مندۃ فی المعرفۃ والخطیب فی المؤتلف عن امام الغاویۃ وابونعیم فی المعرفۃ عن حبیب بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنھم وعبد اللہ بن احمد فی الزائد والمعرفتان عن العاص بن عمرو الطفاوی مرسلاً۔**چہاردہم:** مسلمانوں کے آگے معذرت کی طرف محتاج کرے گی اور عاقل کاکام نہیں کہ ایسی بات کامرتکب ہو۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وایاک وکل امر یعتذر منہ۔اس بات سے بچ جس میں عذر کرنے کی عادت پڑے۔ رواہ ایضاًوالدیلمی بسند حسن عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت وفی الباب عن سعد بن ابی

وقاص وعن ابی ایوب وعن جابر بن عبد اللہ وعن ابن عمرو عن سعد بن عمارۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کمافضلناہ فی کمال الاکمال۔ **پانزدہم:** صحبت قطعاً مؤثر ہے اور طبعیتیں سراقہ اور قلوب متقلب والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انماسمی القلب من تقلبہ انمامثل القلب مثل الریشۃ بالفلاۃ تعلقت فی اصل شجرۃ تقلبھاالریح ظھر البطن۔دل کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انقلاب کرتاہے دل کی کہاوت ایسی ہے جیسے جنگل میں کسی پیڑ کی جڑ پہ ایک پر لپٹاہے کہ ہوائیں اسے پلٹی دے رہی ہیں کبھی سیدھا کبھی الٹا۔رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابی موسیٰ العشری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھو اعند ابن ماجۃ بسند جید مختصر اًاسی لئے مولوی معنوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ع

صحبت صالح تراصالح کند — صحبت طالح تراطالح کند

تاتوانی دور شواز یارِ بد — یارِ بد بدتر بوداز مارِ بد

مارِ بد تنہاہمیں برجاں زند — یارِ بد برجان وبرایماں زند

یہ آفت سب سے اشد ہے۔والعیاذ باللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ **بالجملہ** بلاضرورت شرعیہ اس امر کا مرتکب نہ ہوگا مگر دین میں مداہن یاعقل مبائن۔ سبحان اللہ کتنے شرم کی بات ہے کہ آدمی کے ماں باپ کواگر کوئی گالی دے اس کی صورت دیکھنے کوروادارنہ رہے اور خدااور رسول کو براکہنے والوں کوایسا یارِ غاربنائے ۔اناللہ وانا الیہ راجعون ۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہٖ ووالدہٖ والناس اجمعین ۔تم میں کوئی مسلمان نہیں ہوتاجب تک میں اسے اس کی اولاد اور ماں باپ اور تمام آدمیوں سے زیادہ پیارانہ ہوں۔رواہ احمد والبخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔دلائل کثیر ہیں اور گوشِ شنواکواسی قدر کافی پھر جونہ مانے سنگ دل ہے اور کافر آگ ،آگ کاساتھ جوپتھر دے گاوہ خود اتنا گرم ہوجائے گاکہ آدمی کواس سے بچناچاہیئے پس اگراہل اسلام ان لوگوں سے احتراز کریں کچھ بے جانہ کریں گے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ جل مجدہٗ اتم واحکم۔(فتاویٰ رضویہ)

سبحان اللہ !ارے امام صاحب !غور سے پورے فتویٰ مبارکہ کوپڑھیئے خصوصاًدوازدہم کو،ارشاد فرماتے ہیں ۔"بیشک یہ حرکت (یعنی کفار کے ساتھ میل ملاپ) مسلمانوں کے لیے موجب نفرت ہوگی۔یعنی کفار کے ساتھ کھاناپینامیل ملاپ کرنے پر مسلمان تم سے نفرت کریں گے اور بلاوجہ شرعی مسلمانوں کو متنفر کرناجائز نہیں۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔بشرواولاتنفرو دل خوش کرنے والی بات کہواور نفرت نہ دلاؤ۔پھر سیزدہم میں فرماتے ہیں اقل درجہ اتناتوہے کہ یہ بات (یعنی فرانسیسی کفار کے ساتھ میل ملاپ) سننے والوں کے کان کوخوش نہ آئے گی اور ایسے فعل سے شرع میں ممانعت آئی۔یہ ہے بشرواولاتنفرواکی حقیقی تشریح۔مگرامام صاحب نے دائیں بائیں گھماپھراکر کہاں پیش کی ہے !فلعنۃ اللہ علیٰ من اتبع الھویٰ۔

مسئلہ: ۱جمادیٰ الآخریٰ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جوکہ فی الحال امامت کرتاہے وہ جاکر نوروز کورافضی کے یہاں کھانا کھایاجب کہ ہم لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھناترک کیالوگوں نے اعتراض کرناشروع کیاکہ امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے ہم نے یہ کہاکہ رافضی کے یہاں کھاناپینامجالست شریعت مطہرہ میں قطعاً حرام ہے۔ان میں سے بعض لوگوں نے یہ کہاکہ زمانۂ حضور اقدس سرورعالم ﷺ میں یہودی نصرانی بھی تھے جبکہ

انہوں نے حضور پُر نور شافع یوم النشور کی دعوت کی حضور نے قبول فرمایااور تناول بھی فرمایاہم نے یہ کہاکہ حضور سید عالم ﷺ نے کبھی یہودی نصرانی کے یہاں تناول نہ فرمایااس کے اوپر انہوں نے کہاکہ رنڈی وسود خور وزانی کے یہاں بھی نہ کھاناچاہیئے کیونکہ وہ بھی گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔اس کے اوپر ہم نے کہاکہ رافضی ویہودی ونصرانی قطعی کافرہیں اس لحاظ سے ہم کوان کے یہاں کھاناحرام ہے اور رنڈی وزانی وسود خور سب کے سب گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔آپ اس کا ثبوت دیجئے کہ کافرہیں۔اس پر وہ کوئی ثبوت نہ لاسکے خاموش بیٹھے رہے اس سے معلوم ہواکہ کافران کے نزدیک بھی نہیں ہیں اب ہم کو بحکم شریعت زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیساہے اور روافض وغیرہ کے یہاں کھانا کیساہے۔اس کا جواب بالتشریح والتوضیح وحوالہ کتاب تحریر فرمایئے۔بینوتوجروا۔

الجواب:

زانی شرابی سود خور کے یہاں کھاناخلاف اولیٰ ہے مگر وہ کافر نہیں اور یہود ونصاریٰ کافرہیں پھر یہود ونصاریٰ باوصف کفر کے کافر اصلی ہیں مرتد نہیں اور رافضی وہابی قادیانی نیچری چکڑالوی مرتد ہیں اور احکام دنیامیں مرتد سب کافروں سے بدتر ہے اور کافروں کو بادشاہِ اسلام جزیہ لے کر اپنے ملک میں رکھے گا بشرط جزیہ ان کے جان ومال کی حفاظت کرے گا لیکن مرتد کو تین دن سے زیادہ زندہ نہ رکھے گا۔ تین دن میں مسلمان ہوگیاتوبہت ورنہ سلطانِ اسلام اسے قتل کردے گامرتد کے یہاں کھانا کھانے جانااس سے میل جول سب حرام ہے زید اگر جاہل ہے اور ناواقفی میں یہ حرکت اس سے ہوئی اور اب معلوم ہونے پر علانیہ توبہ کرے توخیر ورنہ وہ امامت کے قابل نہیں فوراً معزول کیاجائے۔**قال اللہ تعالیٰ ولاترکنواالی الذین ظلموافتمسکم النار،وقال تعالیٰ واماینسینک الشیطٰن فلاتقعدبعدالذکریٰ مع القوم الظٰلمین**۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: ۱۲صفر ۱۳۲۹ھ کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگراستاز وہابی ہو توشاگرداس کے پیچھے نماز پڑھ سکتاہے یانہیں؟بینواتوجروا۔

الجواب:

وہابی کے پیچھے نماز جائز نہیں اگرچہ اپنااستاد ہوبلکہ اسے استاد بناناہی اس کے حق میں زہر قاتل ہے بدتر ہے فوراً پرہیز کرے کہ صحبت بدآدمی کو بدبنادیتی ہے۔نہ کہ بد کی تعلیم رسول اللہ ﷺ فرماتے ھیں **ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم** ان سے دوربھاگوان کواپنے سے دورکروکہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔(فتاویٰ رضویہ)

ایسی مجلسیں مقرر کرناگمراہی ہے اور اس میں شرکت حرام اور بدمذہبوں سے میل جول آگ ہے اور اس بڑی آگ کی طرف کھینچ کرلے جانے والا۔اللہ عزوجل فرماتاہے: **واماینسینک الشیطٰن فلاتقعدبعدالذکریٰ مع القوم الظٰلمین**۔اوراگرتجھے شیطان بھلادے تویادآئے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔تفسیرات احمدیہ میں ہے **دخل فیہ الکافروالمبتدع والفاسق والقعودمع کلھم ممتنع**۔اس آیت کے حکم میں ہر کافر مبتدع اور فاسق داخل ہے اور ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔اللہ عزوجل فرماتاہے: **ولاترکنواالی الذین ظلموافتمسکم النار**۔ظالموں کی طرف میل نہ کروکہ تمہیں آگ چھوئے گی۔صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں **ایاکم وایاھم لایضلونکمولایفتنونکم**۔ان سے دور رہوانہیں اپنے سے دورکروکہیں وہ تمہیں گمراہ نہ

کردیں، کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ مسلمانوں کا ایمان ہے اللہ ورسول سے زیادہ کوئی ہماری بھلائی چاہنے والا نہیں جل جلالہٗ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ جس بات کی طرف بلائیں یقیناً ہمارے دونوں جہاں کا اسی میں بھلائی ہے اور جس بات سے منع فرمائیں بلاشبہہ سراسر ضرر وبلا ہے۔ مسلمان صورت میں ظاہر ہو کر جوان کے حکم کے خلاف کی طرف بلائے یقین جانو کہ یہ **ڈاکو** ہے اس کی تاویلوں پر ہرگز کان نہ دھرو، رہزن جو جماعت سے باہر نکال کر کسی کو لے جانا چاہتا ہے ضرور چکنی چکنی باتیں کرے گا اور جب یہ دھوکے میں آیا اور ساتھ ہو لیا تو گردن مارے گا مال لوٹے گا۔ شامت اس بکری کی کہ اپنے راعی کا اشارہ نہ سنے اور بھیڑیا جو کسی بھیڑ کی اوُن پہن کر آیا اس کے ساتھ ہو لے۔ ارے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں منع فرماتے ہیں وہ تمہاری جان سے بڑھ کر تمہارے خیر خواہ ہیں۔ **حریصٌ علیکم** تمہارا مشقت میں پڑنا ان کے قلب اقدس پر گراں ہے **عزیزٌ علیہ ما عنتم** واللہ وہ تم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جیسے نہایت چہیتی ماں اکلوتے بیٹے پر **بالمؤمنین رؤف الرحیم** ارے ان کی سنو اور ان کا دامن تھام لو ان کے قدموں سے لپٹ جاؤ۔ وہ فرماتے ہیں **ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم** ان سے دور رہو ان کو اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ ابن حبان وطبرانی وعقیلی کی حدیث میں کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **لاتؤاکلوھم ولاتشاربوھم ولاتجالسوھم ولاتناکحوھم واذا مرضوا فلاتعودوھم واذاماتوا فلاتشھدوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم** ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ ان کے ساتھ پانی نہ پیو ان کے پاس نہ بیٹھو ان سے رشتہ نہ کرو وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ مر جائیں تو جنازے پر نہ جاؤ نہ ان کی نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ (فتاویٰ رضویہ)

جو جماعت اللہ ورسول کو گالیاں دینے والوں کی جماعت ہو اللہ ورسول اس سے بے زار و بری ہیں وہ ہرگز مسلمان کی جماعت کہلانے کا حق نہیں رکھتی، اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے جو احکام قرآن وحدیث کے دلائل وبراہین کی روشنی میں ''خلاف کمیٹی'' کے متعلق دئے تھے وہی ''پارلیمنٹ بورڈ'' کے متعلق ہیں۔

کیا عزیزانِ اہل سنت اس سے نابلد ہیں؟ کیا وہ ارشاداتِ عالیہ فراموش کردینے کے قابل ہیں؟ فقیر اپنے زاویۂ نگاہ سے ''پارلیمنٹ بورڈ'' کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے ساتھ تعاون وشرکت عمل، اس کی حمایت واعانت کو مذہبی نقطۂ نظر سے ناجائز وحرام جانتا ہے الیکشن کی اہمیت ہرگز ناسخِ احکام شریعت نہیں ہوسکتی۔

(فتاویٰ حامدیہ از شہزادۂ اعلیٰ حضرت فخر الانام حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ،)

اب آخر میں زیر نظر تحریر پُر تنویر محبوب العلماء ابوالظفر محبّ الرضا حضرت علامہ مولانا **محمد محبوب علی خاں** قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ کی نذر قارئین ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۔**قلت یارسول اللہ ماالعصبیۃ** یعنی میں نے عرض کی یارسول اللہ عصبیت کیا ہے؟ **قال ان تعین قومک علی الظلم** یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا عصبیت (تعصب) کی تعریف یہ ہے کہ تو اپنی قوم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھ کر بھی ان کی اعانت وامداد کرے رواہ ابوداؤد عنہ۔

سبحان اللہ! اس حدیث شریف میں عصبیت تعصب کی تعریف فرما کر پلپلوں، صلح کلیوں، بدمذہبوں کی دہن دازی

فرمادی کہ خود حضور سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ تعصب یہ ہے کہ باطل پر کسی کی طرف داری کرے جیسے دیوبندی، نیچری ، قادیانی ، رافضی ، خاکساری، مسلم لیگی، احراری وغیرہم فرقۂ ناریہ اپنے طواغیت کی باطل پرستی پر طرفداری کررہے ہیں اور حق کا ساتھ دینا، حق بات کی طرف داری کرنا تعصب ہی نہیں بلکہ یہ اپنے عقائد حقہ پر پختگی وسلامت روی ہے اور یہ محمود ہے اور جو اس کو تعصب کہے وہ دین سے بے گانہ اور حضور رسول کریم کا مخالف اور بارگاہِ رسالت سے مردود ہے۔

عبادہ بن کثیر شامی ایک بی بی سے روایت کرتے ہیں جو کہ فلسطین کی رہنے والی ہیں اور ان کا نام فسیلہ ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے سنا کہ ''سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قلت یارسول اللّٰہ امن العصبیۃ ان یحب الرجل قومہٗ قال لا ولکن من العصبیۃ ان ینصر الرجل قومہٗ علی الظلم''یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کیا یہ تعصب ہے کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے فرمایا نہیں، تعصب یہ ہے کہ انسان ظلم وناحق پر اپنی اپنی قوم کی مدد کرے۔(رواہ الامام احمد وابن ماجہ عنہ)

ان دونوں مبارک حدیثوں نے تعصب کو ظاہر کردیا۔جو آج کل پالیسی باز واعظ ، لیکچرار مولوی کہا کرتے ہیں کہ علمائے اہلسنت وجماعت کثرہم اللہ تعالیٰ واید ہم بڑے متعصب ہیں ۔ان کا یہ کہنا سراسر ظلم وافترا ہے ۔ کیونکہ ردِّ بدمذہباں تو محمود ہے۔اور تعصب یہ ہوا کہ ناحق پر طرفداری ومدد کی جائے تو حضرات علمائے اہل سنت کا دامن اس سے پاک ہے۔وہ تو حق پسند ہیں۔ہاں وہ قائلین خود ان احادیثِ مبارکہ کی بناپر متعصب ثابت ہوگئے کہ باطل وناحق کی طرفداری کررہے ہیں ۔اور مدد پہنچارہے ہیں اور اسی کو ان حدیثوں میں تعصب بتایا گیا ہے۔

تفسیر عزیزی پارہ اول مطبوعہ محمدی لاہور صفحہ ۳۲۷ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی آیت کریمہ **وقالوا قلوبنا غلف، بل لعنھم اللّٰہ بکفرھم فقلیلاً ما یؤمنون**۔کے تحت فرماتے ہیں۔ومعنی تصلب حق آنست کہ دینِ حق رابقوت بگیرد وہر گز بدینے وآیئنے نظر نہ کند وبہ تلبیسات شیاطین واستدراجاتِ جوگیہ ورہابین گوش نہ نہد وبہ سببِ ورودِ مصائب وامتحانات درحسنِ دین خود شک تردد پیدانہ کند وایں امر محمود در جمیع ادیان ومطلوب درہر زمان ست ومعنیٔ تعصب باطل آنست کہ بسببِ حمیتِ رسم خود یا ریاست خاندان خود بر مذہب دیگر باوصف ظہور علامات حقیقت آں انکار نماید وبدخود رانیک ونیک غیر خود رابد داند وایں امر مردود ومعیوب ست۔یعنی تصلب حق کے معنی یہ ہیں کہ دینِ حق کو مضبوطی کے ساتھ پکڑلے اور کسی دوسرے دین یا کسی دوسرے طریقے کی طرف ہر گز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔اور شیطانوں کے فریب سے بھری ہوئی باتوں اور جوگیوں سادھوؤں کے استدراجی خوارق عادات کی طرف قطعاً کان نہ لگائے اور مصیبتوں اور آزمائشوں کے آجانے کی وجہ سے اپنے سچے دین کی خوبی میں کسی طرح کا شک وتردد ہر گز پیدانہ ہونے دے اور یہ تصلبِ حق تمام ادیانِ الٰہیہ میں پسندیدہ ومحبوب اور ہر زمانے میں مطلوب ومرغوب ہے۔اور تصلب باطل کے معنی یہ ہیں کہ اپنی رسم یا اپنی خاندانی اعزاز کی پاسداری کے سبب دوسرے مذہب کو اس کی حقانیت کے دلائل وبراہین واضح ہوجانے کے بعد بھی اس سچے مذہب کو نہ ماننے اور اس کا انکار کرے اور اپنے برے کو بھلا اور دین حق کے ماننے والوں کے بھلے کو برا جانے اور یہ تعصب باطل مردود ومعیوب ہے۔(اربعین شدت)

الکشف التام فی اوھام النظام

از: حضرت علامہ مفتی محمد محبوب رضا نوری بدر القادری خادم الافتاء والتدریس دار العلوم رضائے مصطفیٰ کھم تالاب، بھنڈارہ (مہاراشٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور شافع یوم النشور ﷺ نے ارشاد فرمایا "یوشک ان یأتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجد ھم عامرۃ وھی خراب من الھدی علماء ھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود"، (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸) عنقریب لوگوں پر وہ وقت آئے گا جب اسلام کا صرف نام اور قرآن کا رواج ہی رہ جائے گا انکی مسجدیں آباد ہونگی مگر ہدایت سے خالی ان کے علماء آسمان کے نیچے بد ترین خلائق ہونگے اور ان سے فتنہ نکلے گا اور انہیں میں لوٹ جائے گا۔ اس حدیث شریف میں مخبر صادق غیب داں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے جن چیزوں کی پیشین گوئیاں فرمائی ہیں وہ حرف بحرف صادق آرہی ہیں۔!!!

آج جدھر دیکھئے ہر طرف اختلاف وانتشار، نفاق وشقاق، مجادلہ ومکابرہ کا بازار گرم ہے اور دن بدن حالات ابتر ہوتے جارہے ہیں، آثار وقرائن بتارہے ہیں کہ آنے والا دور اس سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا کیونکہ ہر مولوی مفتی اور ہر مفتی مفتیٔ اعظم کے منصب پر متمکن ہیں اور اسباب ستہ (۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ) کے سہارے ایسی جدید تحقیقات پیش کررہے ہیں جن سے حلت وحرمت جواز وعدم جواز کے اصول وضوابط پاش پاش ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ع

مرد ماں شہوات رادین ساختند

فتنہ در دین نبی انداختند

قارئین کرام۔ اہل علم جانتے ہیں کہ فقہائے اسلام نے مذکورۃ الصدور اسباب ستہ کے مواقع ومواضع، محال ومجال بھی ارقام فرمائے ہیں جنکی تفاصیل کتب فقہ میں مصرح ہیں لہٰذا ان اسباب کو ہر جگہ، ہر موقع پر پیش کرنا دین ودیانت کے خلاف بلکہ جہالت ونادانی ہے اگر مجلس شرعی کے فقہائے محققین کیطرح ہر جزئیہ میں ان اسباب کو منطبق کردیئے جائیں تو شریعت بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائیگی اور اسلام کے نام پر منکرات ومحرمات کا دروازہ کھل جائے گا۔

رجوع الی الحق اور فقہائے اسلام

تاریخ اسلام کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات عیاں ہے کہ ہر قرن وعصر میں فقہائے اسلام کی جماعت نے کتاب وسنت کی ضیاء میں دین حنیف کے ہزارہاہزار مسائل کا حل پیش فرماکر قوم مسلم پر احسان عظیم فرمایا ہے اور ابتک یہ مبارک سلسلہ جاری وساری ہے۔ آج دبستان فقہ وافتاء کی جو بہاریں نظر آرہی ہیں یہ انہیں کارہین منت ہے فقہائے اسلام نے شب وروز کے حسین لمحات فقہ کے زلف برہم کو سنوارنے میں صرف کیے ہیں انکو نہ دولت وثروت کی چاہت تھی اور نہ ہی عزت وشہرت کی طلب! بس ایک ہی ذہن تھی کہ مولیٰ راضی ہوجائے کیونکہ مرد فقیہ اور عالم ربانی کی یہی شان ہوتی ہے۔ شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نزہۃ القاری ج ا ص ۳۰۷ پر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ: "فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے تعلق ہو، آخرت کی رغبت رکھتا ہو، دین کے معاملے میں بصیرت رکھتا ہو، اللہ کی عبادت کا پابند ہو" یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی ان سے تسامح ہوجاتا تو ابانت حق کے بعد فوراً رجوع فرمالیتے آئمہ کرام بالخصوص فقہائے احناف کے نقوش حیات فقہائے محققین کے لیے مشعل راہ ہیں۔ تقریب فہم کیلئے بس ایک مثال دیکر رہوار قلم کو سرپٹ دوڑانا چاہتا ہوں تاکہ قارئین تکان محسوس کئے بغیر اپنی منزل تک پہونچ جائیں۔!!!

مدارس اسلامیہ کے متوسط درجہ کا طالب عالم بھی جانتا ہیکہ سراج الامۃ، کاشف الغمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداً کچھ مصلحتوں کے پیش نظر عربی پر قدرت کے باوجود فارسی زبان میں قرأت فی الصلوۃ کو جائز کہتے تھے لیکن حقانیت واضح ہونے کے بعد اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا اور عدم جواز کے قائل ہوگئے اسکی تفصیل نور الانوار اور اس کے حاشیہ قمر الاقمار میں موجود ہے۔اتنے بڑے امام لیکن رجوع میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہیں مگر مقام افسوس ہے کہ فی زمانہ کچھ محققین رجوع کرنے میں توہین سمجھتے ہیں جسکی تازہ مثال چلتی ٹرین پر فرض وواجب وملحق بالواجب نمازوں کا مسئلہ ہے امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے زمانہ سے لیکر آج تک معتمد علیہ اسلاف واخلاف واساطین دین اسلام اس بابت عدم صحت صلوۃ اور اعادہ کا فتویٰ دیتے رہے لیکن مجلس شرعی کے بیسویں فقہی سیمینار میں جواز بلااعادہ کا حکم دیدیا جو کہ فقہ حنفی کی روشنی میں صحیح نہ تھا اس لئے مرد آگاہ حق ہیں وحق گو فقہاء وعلماء ومفتیان کرام نے انکا تعاقب فرمایا دیکھتے دیکھتے ردو تعاقب میں چند رسائل ومقالجات معرض وجود میں آگئے۔ مجلس شرعی کے سربراہ فاضل محقق مفتی نظام الدین صاحب رضوی اور ان کے متبعین سے امید تھی کہ ان تحریرات کو ملاحظہ کرنے کے بعد اپنے غلط موقف سے رجوع فرمالیں گے اور اعلان برأت میں عار محسوس نہ کریں گے۔

لیکن ماہنامہ جام نور اکتوبر ۲۰۱۳ء کا مہمان اداریہ پڑھ کر حیرت ہوئی اور افسوس بھی کیونکہ محقق مسائل جدیدہ رجوع کرنے کے بجائے قائلینِ عدم جواز کو دعوت مبارزت دیئے ہیں۔ جامِ نور کا مہمان اداریہ بقول خوشتر نورانی مفتی نظام الدین صاحب کا خطاب ہے جسے ٹیپ سے نقل کر کے مفتی انفاس الحسن چشتی نے مرتب کیا ہے یہ خطاب عالمانہ بھی ہے داعیانہ بھی، اور مخلصانہ بھی۔

قارئین کرام! اب میں خطاب کے چند اقتباسات پر اپنی معروضات رقم کر کے آپکی عدالت میں پیش کرتا ہوں فیصلہ آپکو کرنا ہے کہ محقق صاحب کا یہ خطاب عالمانہ ہے یا عامیانہ؟ داعیانہ ہے یا باغیانہ؟ مخلصانہ ہے یا مفسدانہ؟

قول وعمل میں تضاد:

فاضل محقق نظام الدین صاحب اپنے خطاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ مجلس شرعی پابند ہیکہ فتاویٰ رضویہ کے مطابق ہی اپنے فیصلے صادر کرتے یہ ہمارے دستور میں مصرح ہے ہمارا ایک فیصلہ بھی ایسا نہیں جو فتاویٰ رضویہ کے خلاف ہو سمجھ کا فرق ہو سکتا ہے مگر اختلاف نہیں ہو سکتا خود ٹرین کے مسئلے میں بھی فتاویٰ رضویہ کا اتباع ہے فتاویٰ رضویہ سے ذرا برابر بھی اختلاف نہیں (جام نور اکتوبر ۲۰۱۳ء ص۹)

مفتی نظام الدین صاحب کے اس بلند بانگ دعویٰ کو سن کر عام لوگ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے بلکہ علماء بھی متاثر ہوگئے ہوں گے کیونکہ جو فتاویٰ رضویہ کے مطابق فیصلہ صادر کرنے کا پابند ہو اور یہ ان کے دستور میں شامل بھی ہو بھلا ان سے فتاویٰ رضویہ کے خلاف فیصلہ صادر ہونا کب ممکن ہو سکتا ہے؟ صوفیاء کرام فرماتے ہیں اعرفوالرجال بالحق لاالحق بالرجال مردان حق کو حق سے پہچانو نہ کہ حق کو ان مردوں سے۔ مجوزین ومباحین کو چیلنج ہیکہ وہ فتاویٰ رضویہ میں صرف ایک جگہ ہی بالتصریح دکھادے کہ چلتی ریل میں فرض وواجب وملحق بالواجب نمازیں جائز وصحیح ہیں اور اعادہ کی حاجت نہیں۔ اگر فاضل محقق یا کوئی اور، ایسا دکھادینگے تو میں ان کے کفش برداروں میں اپنا نام لکھا دونگا لیکن مجھے یہ معلوم ہیکہ مجوزین اس بات پر قادر نہیں ہیں کیونکہ فتاویٰ رضویہ میں صراحتاً موجود ہے کہ فرض وواجب وملحق بالواجب نمازیں نہیں ہو سکتیں تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۹۶ اور جلد سوم ص ۴۴ ملاحظہ فرمالیں کیا مفتی نظام الدین صاحب کو اب بھی یہ کہنے کا جواز رہ جاتا ہے کہ کہے کہ ٹرین کے مسئلے میں بھی فتاویٰ رضویہ کا اتباع ہے اور ذرا برابر بھی اختلاف نہیں؟ ع

اسی کا نام ہے شاید تضاد قول وعمل
دکھاکے پھول جو کانٹے بچھائے جاتے ہیں

مسئلہ قطار اجماعی یا غیر اجماعی:

چلتی ٹرین پر ادائیگی نماز کی بابت امام احمد رضا خاں فاضل

بریلوی علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ شریف میں جو حکم شرعی نافذ فرمایا تھااس کے متعلق حکیم الملت حضرت العلام مفتی ناظر اشرف قادری مدظلہ الاقدس نے اپنے فتویٰ میں فرمایا تھا کہ یہ اہل سنت و جماعت کا مجمع علیہ حکم ہے یونہی بہت سارے مصدقین و مصوبین نے بھی حکم بالا کو اجماعی لکھااور اس کے خلاف فتویٰ دینے کو خرق اجماع فرمایا،اس پر فقہائے محققین کے سربراہ فاضل محقق مفتی نظام الدین صاحب کو اعتراض ہے کہ یہ مسئلہ نہ کبھی اجماعی تھا نہ ہو سکتاہے (جام نور اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۵) اس کے ثبوت میں انہوں نے دو دلیلیں دی ہیں:

پہلی دلیل: کہ خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم رسالہ المنی والدرر میں واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ ” دوصدی کے بعد اجماع شرعی کے ادراک وعرفان کی کوئی راہ نہیں رہی “، اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ اس سے صاف ظاہر ہیکہ چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ اجماعی نہیں یہ تو چودھویں صدی کا مسئلہ ہے جو دوصدی کے بعد کازمانہ ہے یہ بات ہم نہیں کہہ رہے ہیں اعلیٰ حضرت نے کہی ہے ۔

کلام بردلیل اول: میں فاضل محقق سے پوچھنا چاہتاہوں کہ فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے یہ بات کہاں کہی ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ اجماعی نہیں یہ تو چودھویں صدی کا مسئلہ ہے برائے کرم نشاندہی فرمائیں اور اگر اعلیٰ حضرت نے یہ بات نہیں کہی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے تو پھر محقق صاحب کو کس نے یہ حق دیا کہ وہ اپنے خطاب میں کہے کہ یہ بات ہم نہیں کہہ رہے ہیں اعلیٰ حضرت نے کہی ہے ۔یہ منہ اور مسور کی دال مال اپنا اور نام اعلیٰ حضرت کا یہ ڈوب مرنے کی بات ہے۔

سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد اعظم الشاہ امام احمد رضاخاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جلد ہشتم میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے مگر اس کا مسئلہ قطار سے کوئی تعلق نہیں اگر فاضل محقق عجلت پسندی سے کام نہ لیتے تو ہرگز غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے اور نہ ہی مسئلہ قطار کو مجمع علیہ لکھنے پر چراغ پا ہوتے ارے خدا کے بندے کم از کم تاج الشریعہ بدر الطریقہ وارث علوم امام احمد رضا حضرت علامہ الشاہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری مدظلہ الاقدس کی تصدیق جمیل کو ہی بنظر غائر ملاحظہ فرمالیتے تو آپ کے جملہ شبہات کافور ہوجاتے۔

میں سرکار تاج الشریعہ مدظلہ الاقدس کی تصدیق جمیل کا ایک اقتباس نقل کرتاہوں،آپ اس پر غور وفکر کیجئے،”تاج الشریعہ فرماتے ہیں کہ منع من جھۃ العباد کا عذر نہ ہونا امر اجماعی ہے اسی پر یہ حکم متفرع کہ چلتی ٹرین پر فرض وواجب وملحق بالواجب ادا نہیں ہو سکتے کہ یہ صورت بلاشبہ من جھۃ العباد کی صورت ہے اور جو اصل اجماعی پر متفرع ہو وہ ضرور اجماعی ہے۔“ مثلاً حکیم الملت مفتی ناظر اشرف قادری کسی کے استفسار پر یہ فتویٰ دیں کہ فاضل محقق مفتی نظام الدین کو سجدۂ تعظیمی کرنا حرام قطعی یقینی اجماعی ہے یہ اہل سنت وجماعت کا مجمع علیہ حکم ہے اس کے خلاف قول کرنا یا فتویٰ دینا خرق اجماع ہے۔مفتی صاحب کا مذکورہ بالا حکم بے شبہ لائق اعتماد و قابل استناد ہوگا کسی کو یہ کہنے کی اجازت نہ ہوگی کہ کہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے چونکہ رسالہ المنی والدرر میں یہ لکھاہے کہ دوصدی کے بعد اجماع شرعی کے ادراک و عرفان کی کوئی راہ نہ رہی اس لئے مفتی نظام الدین کیلئے سجدہ تحیت کی حرمت کو مجمع علیہ کہنا یا اس کے خلاف فتویٰ دینے کو خرق اجماع مسلمین کہنا صحیح نہیں کیونکہ یہ تو پندرہویں صدی کا مسئلہ ہے جو دو صدی کے بعد کازمانہ ہے۔

پیارے! بات دراصل وہی ہے جو تاج الشریعہ نے فرمائی کہ جو اصل اجماعی پر متفرع ہوگا وہ ضرور اجماعی ہے۔یہی وجہ ہیکہ دو صدی کے بعد بھی بہت سے مسائل میں امت کا اجماع ہوا مثلاً مروجہ ہیئت کے ساتھ قیام مولود جو یقیناً دوصدی کے بعد جاری ہوا لیکن اس کے استحسان پر اہل سنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہوچکا ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص ۶۳ پر فقیہ محدث مولانا عثمان بن حسن دمیاطی کے رسالہ اثبات

قیام کے حوالے سے ارقام فرماتے ہیں: "قد اجتمعت الامة المحمدیة من اهل السنة والجماعة علیٰ استحسان القیام المذکور وقدقال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لا تجتمع امتی علی الضلالة" بیشک امت مصطفےٰ ﷺ سے اہل سنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہیکہ یہ قیام مستحسن ہے اور بیشک نبی ﷺ فرماتے ہیں میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی "یونہی ائمہ اربعہ کی امامت وولایت وجلالت شان مجمع علیہ ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں "بعد وضوح صواب وکشف حجاب بحمد الوھاب "امامت وولایت وجلالت شان ورفعت مکان حضرات عالیہ ائمہ اربعہ علیہم الرضوان پر امت اجابت کا اجماع ہولیا (فتاویٰ رضویہ ج ۶ص ۳۴) اور ظاہر ہیکہ یہ اجماع دوصدی کے بعد ہی ہوا ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی تاریخ وصال ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ ہے (حیات امام احمد بن حنبل ص ۵۳)

یہاں پر فاضل محقق سے ایک شبہ کا ازالہ چاہتا ہوں کہ دو صدی کے بعد اجماع شرعی کے عدم ادراک وعرفان کی وجہ، شیوع وانتشار علماء فی البلاد (شہروں میں علماء کی کثرت اور ان کے پھیل جانے کی وجہ سے ہے) کہ شرق وغرب میں علماء کی کثرت اور ان کے پھیل جانے کی وجہ سے انکے اقوال واحوال کے معرفت کی کوئی سبیل نہ تھی لیکن عصر حاضر میں جدید ذرائع ابلاغ ونت نئے ایجادات نے پوری کائنات ارضی "GLOBAL" ایک قریہ نما بنادیا ہے۔ اگر کوئی جہد پیہم کرے تو عصر واحد کے تمام فقہائے عصر کا اتفاق ناممکن نہیں بلکہ عین ممکن ہے کیونکہ فی زمانہ اس کی سبیل و راہ موجود ہیں اب تحقیق طلب امر یہ ہیکہ اس دور میں اجماع شرعی ممکن ہے یا آج بھی یہی کہا جائیگا کہ اجماع شرعی کے ادراک وعرفان کی کوئی راہ نہیں رہی جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں مرقوم ہے فاضل محقق مفتی نظام الدین صاحب رضوی سے امید ہیکہ اسکا حل ضرور پیش فرمائیں گے!!!

محقق صاحب کی دوسری دلیل:

محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے مسئلہ قطار کے عدم اجماع پر انہوں نے جو دوسری دلیل دی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجماع کیلئے تمام فقہائے عصر کا اتفاق ضروری ہے اور مسئلہ قطار میں سب کا اتفاق نہیں ہے کیونکہ محدث سورتی علیہ الرحمہ والرضوان ومولوی عبد الحئی محلی وغیرہ نے اختلاف کیا ہے۔ اگر کسی امر میں ایک فقیہ کا بھی اختلاف ہو جائے تو اجماع منعقد نہ ہوگا لہٰذا مسئلہ قطار اجماعی نہیں مختلف فیہ ہے۔ محدث سورتی علیہ الرحمہ کے تعلق سے رقم طراز ہیں کہ انہوں نے منیۃ المصلیٰ کی شرح لکھی ہے "التعلیق المجلی "اس شرح میں انہوں نے چلتی ٹرین میں نماز کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ وہ (محدث سورتی) خود اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "والا حوط ان لا یصلی فیه صلاة عند مسیره" زیادہ احتیاط یہ ہیکہ چلتی ٹرین میں نماز نہ پڑھے یعنی احوط نماز سے ممانعت (جام نور) پھر چند سطور کے بعد لفظ احوط کا مفہوم بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میری نگاہ میں ایسے مقام پر جہاں احوط کا لفظ بولا گیا ہے وہاں اس سے مراد جائز خلاف اولیٰ ہے (جام نور اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۶) پھر کچھ قدم آگے چل کر محدث سورتی علیہ الرحمہ کی طرف یہ منسوب کر دیا ہیکہ چلتی ٹرین میں نماز کی صحت وعدم صحت کے تعلق سے محدث سورتی کا موقف یہ ہیکہ احوط یہ کہ نہ پڑھیں، اس کا حاصل جواز خلاف اولیٰ ہے (حوالہ مذکور)

مفتی نظام الدین صاحب نے لفظ احوط کا معنی بتاتے ہوئے جو رقم فرمایا تھا کہ احوط سے مراد جائز خلاف اولیٰ ہے اس پر انہوں نے دو مثالیں بھی دی ہیں اور دونوں مثالیں فتاویٰ رضویہ جلد دوم سے منقول ہیں یہ اور بات ہیکہ مثال ممثل لہٗ کے مطابق نہیں ہے محض سخن سازی ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں یہاں پر صرف مثال ثانی کو نقل کر کے اس کے صحیح خدوخال کو پیش کرنے کی کوشش کرونگا۔

فاضل محقق مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں کہ احوط منع کا اطلاق خلاف اولیٰ پر ہوتا ہے اس کی ایک مثال سفر میں جمع بین الصلاتین کی بحث میں اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد ہے "اگر بالفرض

(براہین منع وادلہ جمع) کانٹے کی تول برابر ہی سہی تاہم منع ہی کو ترجیح رہے گی کہ اسمیں احتیاط زائد ہے اگر عند اللہ جمع درست بھی ہوئی تو ایک جائز بات ہے جسکے ترک میں بالاجماع گناہ نہیں بلکہ بالاتفاق اس کا ترک ہی افضل ہے"۔ پھر مذکورہ عبارت کی تسہیل وتشریح کے بعد فرماتے ہیں کہ اس تقدیر پر اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ جمع بین الصلاتین جائز خلاف اولیٰ ہے اسی لیے اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بالاتفاق اس کا ترک ہی افضل ہے (جام نور اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۷)

کلام بر دلیل ثانی:

شرع شریف میں ہر اجماع کیلئے تمام فقہاء عصر کا متفق ومتحد ہونا ضروری ہے جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب رضوی نے لکھا ہے یا بعض مجتہدین کے اتفاق سے بھی اجماع قائم ہو سکتا ہے یہ ایک اہم بحث ہے اس سلسلے میں سچی بات یہ ہیکہ ہر اجماع کیلئے تمام فقہاء عصر وائمہ مجتہدین کا اتفاق لازم نہیں بلکہ بعض فقہاء وائمہ مجتہدین کے اتفاق سے بھی اجماع قائم ہو سکتا ہے اس اجماع کا نام اجماع مذہبی ہے۔ ہاں اجماع سندی کے لیے عند البعض تمام فقہاء کا متفق ہونا ضروری ہے چنانچہ ملا نظام الدین علیہ الرحمہ کی مشہور انام کتاب اصول الشاشی کے ص ۷۹ کے حاشیہ نمبر ۶ پر مرقوم ہے "اعلم ان الاجماع علیٰ نوعین سندی وھو اجماع علماء کل عصر من امۃ محمد ﷺ علیٰ حکم وقد مر اقسامہ ومذھبی وھو اجماع بعض المجتھدین علیٰ حکم یعنی آپ جان لیجئے کہ اجماع کی دو ۲ قسمیں ہیں۔ ایک اجماع سندی، اور اجماع سندی کہتے ہیں اس امت کے علماء کا کسی حکم پر متفق ہو جانا اور اسکی جملہ قسمیں گزر چکی ہیں اور اجماع کی دوسری قسم اجماع مذہبی ہے اور اجماع مذہبی کہتے ہیں بعض مجتہدین کا کسی حکم پر متفق ہو جانا نیز اجماع سندی کیلئے تمام فقہائے عصر کا متحد ومتفق ہونا ضروری ہے یہ خود متفق علیہ نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ ہے جس کی تفاصیل حسامی ونامی میں موجود ہیں اور حکیم الملت مفتی ناظر اشرف قادری نے صمصام الاسلام علیٰ مقالۃ النظام میں شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے لہٰذا اب مذکورہ بالا بیان صریح کے بعد کسی محقق کو یہ کہنے کا جواز باقی نہیں رہتا کہ کہے کہ کسی مسئلہ میں ایک فقیہ کا اختلاف ہو جائے تو اجماع منعقد نہیں ہو سکتا!!!

فاضل محقق مفتی نظام الدین صاحب رضوی اجماع کیطرح محدث سورتی علیہ الرحمہ کے لفظ احوط کو سمجھنے میں بھی خطا کر گئے اگر نظر دقیق وفکر عمیق سے محدث سورتی علیہ الرحمہ کے کلام کو سمجھنے کی زحمت گوارہ فرماتے تو ایسے خطا کے شکار نہ ہوتے اور نہ ہی توضیح القول بمالا یرضی بہ القائل کے مرتکب ہوئے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ والرضوان نے خود **والاحوط ان لا یصلی فیہ صلاۃ عند مسیرہ** کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لہٰذا حق سے زیادہ مشابہ بات یہ ہیکہ چلتی ہوئی ٹرین میں نماز ناجائز ہے (جام نور اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۷)

قارئین کرام یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ جب محدث صاحب نے اپنے کلام کی وضاحت خود فرمادی تو یقیناً وہی لائق اعتماد وقابل حجت ہوگی اب اگر کوئی صاحب اس کے برعکس جواز خلاف اولیٰ کی بات آپ کی طرف منسوب کرے تو بے شبہ وہ ناقابل التفات وغیر مسموع ہوگی۔ لفظ احوط کے سلسلے میں میرے نزدیک صحیح تر بات یہ ہیکہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے الاحوط کے ذریعہ قول مفتی بہ کو رقم فرمایا ہے نہ کہ جائز خلاف اولیٰ کو۔ کیونکہ مفتیان کرام مفتی بہٖ اقوال کی تعبیرات چند طریقوں سے فرماتے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں (۱) وعلیہ الفتوی (۲) وبہ یفتی (۳) وبہ ناخذ (۴) وعلیہ الاعتماد (۵) وعلیہ العمل الیوم (۶) وعلیہ العمل الامۃ (۷) وھو الصحیح (۸) وھو الاصح (۹) وھو الاظھر (۱۰) وھو المختار فی زماننا (۱۱) وھو الاشبہ (۱۲) وھو الاوجہ (۱۳) وھو الاحوط وغیرہ وغیرہ اور ان میں سے بعض الفاظ بعض کی طرف نسبت کرتے ہوئے زیادہ موکد ہیں مثلاً لفظ فتوی لفظ صحیح اصح اشبہ وغیرہ سے زیادہ موکد ہے یونہی لفظ اصح صحیح سے اور احوط احتیاط سے زیادہ موکد ہیں۔ لہٰذا احوط کا معنی جائز خلاف اولیٰ کرنا ناقابل اعتماد ونالائق اعتبار ہے فافہم وتدبر ولا تعجل! بالجملہ احتیاط کا وہ مطلب نہیں جو فاضل محقق نے پیش فرمایا ہے بلکہ احتیاط کا مطلب وہ ہے جو فاضل بریلوی نے فرمایا ہے "انما الاحتیاط العمل باقوی الدلیلین" احتیاط تو زیادہ قوی دلیل پر عمل

کرنے میں ہی ہے (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۴۴)

خطا در خطا:

کہا جاتا ہیکہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنا پڑتا ہے یونہی ایک غلطی کو صحیح ثابت کرنے کیلئے سو غلطیوں کا سہارا لینا پڑتا ہے یہی حال مفتی نظام الدین صاحب کا بھی ہوا کہ موصوفِ محترم لفظ احوط کا اختراعی معنی ثابت کرنے کے چکر میں چکر کھاتے ہوئے عالم سُکر میں بول پڑے کہ اس تقدیر میں اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ جمع بین الصلاتین جائز خلاف اولیٰ ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بالاتفاق اس کا ترک ہی افضل ہے (جام نور اکتوبر ۲۰۱۳ء)

باشعور قارئین فاضل محقق مفتی نظام الدین صاحب رضوی یہاں پر یہی تاثر دینا چاہتے ہیں کہ فاضل بریلوی کے نزدیک جمع بین الصلاتین جائز خلاف اولیٰ ہے۔ محقق صاحب کی عبارت کوئی مشکل عروسی یا حماری نہیں کہ سمجھ سے بالا تر ہو صریح الفاظ میں انہوں نے فاضل بریلوی کی طرف جواز جمع بین الصلاتین کو منسوب فرمادیا اب دیکھنا یہ ہیکہ کیا فی الواقع فاضل بریلوی کا یہی موقف ہے جیسا کہ محقق صاحب نے بیان کیا ہے یا پھر اس کے علاوہ کچھ اور؟

فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ محقق صاحب نے اعلیٰ حضرت کیطرف جس قول کا انتساب کیا ہے وہ مبنی علی الکذب ہے کیونکہ جمع بین الصلاتین کے عدم جواز پر فاضل بریلوی کا ایک مستقل رسالہ بنام حاضر البحرین الواقع عن جمع الصلاتین موجود ہے جو فتاوی رضویہ جلد دوم میں شامل ہے اس کا ایک اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "اللہ عزوجل اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے ارشادات سے ہر نماز فرض کا ایک خاص وقت جداگانہ مقرر فرمایا ہے کہ نہ اس سے پہلے نماز کی صحت نہ اس کے تاخیر کی اجازت ظہرین عرفہ اور عشائین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً کسی طرح جوئز نہیں قرآن عظیم واحادیث صحاح سید المرسلین ﷺ اس کی ممانعت پر شاہد عادل ہیں۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۳۲)

فتاویٰ رضویہ شریف کی اس واضح عبارت کے ہوتے ہوئے مزید دیگر شواہدات کی ضرورت نہیں۔ فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ جمع بین الصلاتین کے تعلق سے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کا موقف وہ ہے جو جام نور میں لکھا گیا ہے یا پھر وہ ہے جو فتاویٰ رضویہ میں مرقوم ہے؟!!

مسئلہ قطار اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی:

فاضل محقق مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی جن کے بارے میں کفل الفقیہ الفاھم میں اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے "**من یعد من الاعیان ویشار الیہ بالبنان**" عمائد سے شمار کئے جاتے ہیں اور انکی طرف (انکی عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے) انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے نے عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز جائز ہے (جام نور اکتوبر ۲۰۱۳ء) پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب نے جواز نماز کے ایک فتویٰ کی تصدیق بھی کی ہے آپ کے مجموعہ الفتاویٰ میں یہ فتوی مع تصدیق چھپا ہوا ہے (حوالہ مذکور)

عبارت بالا کے ذریعہ فاضل محقق صرف یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ مسئلہ قطار اجماعی نہیں مختلف فیہ ہے اور کفل الفقیہ الفاھم کی ناقص محقق عبارت سے مقصود مولانا عبدالحئی کی قد کو اونچا کرنا ہے اور عوام کو یہ تاثر دینا ہے کہ فاضل بریلوی کے نزدیک مولانا عبدالحئی قابل فخر معتمد علیہ شخصیت کا نام ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہیکہ فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے نزدیک ان کی کوئی وقعت وعلمی حیثیت نہ تھی اگر کفل الفقیہ الفاھم کی پوری عبارت ہی نقل کردیتے تو حقیقت طشت از بام ہوجاتی اور عقیدت کا ضم کدہ پاش پاش ہوجاتا۔

میں کفل الفقیہ الفاھم کی پوری عبارت مع ترجمہ پیش کرتا ہوں تاکہ جام نور کا فریبی چہرہ بے نقاب ہوجائے اور عبدالحئی فرنگی محلی کی حیثیت عرفی بھی واضح ہوجائے:۔

فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم میں ہے "وما خالفنی فیھا الا رجل من لکنو من یعد من الاعیان ویشار الیہ بالبنان ولم اطلع علی خلافہ الا بعد موتہ لما طبعت وریقات باسم فتاواہ ولو راجعتہ فی حیاتہ لرجوتہ ان یرجع لان الرجل کان اذاعرف عرف و اذاعرف انصرف"یعنی اور اس میں میرا اخلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص نے جو عمائد سے گنے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مجھے ان کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر انکی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق ان کے فتاویٰ کے نام سے چھپے اور اگر میں انکی زندگی میں اس بارے میں ان سے گفتگو کرتا تو امید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے کہ ان صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے (ص۱۶۱) کفل الفقیہ الفاھم کی اس کامل وضاحت کے بعد مزید اس پر کچھ تبصرہ کرنے کی حاجت نہ تھی مگر یہاں آئینہ دکھانا ضروری ہے کیونکہ مفتی نظام الدین صاحب رضوی نے بڑے فخریہ انداز میں فرمایا کہ حضرت مولانا عبد الحئ فرنگی محلی نے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز جائز ہے (حوالہ مذکور) قصور معاف ہو تو کہوں کہ حضور! عمدۃ الرعایہ میں صرف چلتی ٹرین کا ہی ایک مسئلہ مسطور نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بہت کچھ عجوبے موجود ہیں شاید آپ بھی برداشت نہ کر سکیں میں صرف ایک مثال کے ذریعہ آئینہ دکھاتا ہوں اس کے آگے آپ کا کام چاہے آئینہ کو سلامت رکھیں یا بیچ چوراہے پر چکنا چور کر دیں ۔ع

ظرف اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کئے جاؤ میخوار و کام اپنا اپنا

یہ علمائے اہل سنت وجماعت کا متفق علیہ فتویٰ ہے کہ اکابر دیابنہ مثلاً رشید احمد گنگوہی ، قاسم نانوتوی ، خلیل احمد انبیٹھوی ، اشرف علی تھانوی اپنے ناقابل تاویل عقائد کفریہ کے سبب کافر و مرتد وخارج از اسلام ہیں بلکہ اطلاع شرعی کے بعد ان کے کفر وارتداد میں شک کرنا موجب کفر ومزیل ایمان واسلام ہے ایسوں کے متعلق شفائے امام قاضی عیاض وبحر الرائق ومجمع الانہر ودر مختار وغیرہا معتمدات اسفار میں ھے من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔ لیکن مولوی عبد الحئ فرنگی محلی (مفتی نظام الدین صاحب کے معتمد وممدوح) مقدمہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ج۱ص۲۹پر قاسم نانوتوی کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں حتی کہ نانوتوی کا مدفن بتاتے ہوئے دعاء رحمت بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مقدمہ عمدۃ الرعایہ کے الفاظ یہ ہیں والمولوی محمد قاسم النانوتوی ھو فاضل مستعد جید الف متناًمتینا فی علم الفرائض (ج۱ص۲۹) پھر لفظ نانوۃ پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں نانوۃ من ضلع سہارنفور ومدفنہ فی بلدۃ دیوبند فی حمدہ اللہ ۱۲منہ۔

فاضل محقق مفتی نظام الدین الرضوی المصباحی صاحب چونکہ خود بلند پایہ فقیہ وعظیم مفتی ہیں لہٰذا اس سلسلے میں خود حکم شرعی صادر فرمادیں تو بہتر بلکہ خوشتر کیلئے خوشتر ہوگا۔ جام نور میں عمدۃ الرعایہ کی طرح مجموعۃ الفتاویٰ کا ذکر بھی بڑے طمطراق سے کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ مجموعۃ الفتاویٰ کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے کئے گئے سوال وجواب دونوں کو من وعن نقل کر دوں تاکہ مجموعۃ الفتاویٰ کی ثقاہت یا عدم ثقاہت کا صحیح نقشہ سامنے آجائے ۔

فتاویٰ رضویہ جلد دوازدھم ص۲۱۵پر مرقوم ہے:۔

سوال:۔ مجموعہ فتاویٰ عبد الحئ صاحب اہل سنت والجماعت کے مطابق ہے یا کچھ گڑبڑ ہے اطلاع بخشی جائے۔

جواب:۔ اسمیں بہت مسائل میں فرق ہے خصوصی پہلی اور دوسری جلد میں جسکی کچھ کچھ اصلاح خود انہوں نے اپنی طرف سے سوالات قائم کر کے کی ہے"

قارئین! میرے خیال سے اس واضح بیان کے بعد مجموعۃ الفتاویٰ کا جادو ٹوٹ گیا ہوگا لیکن یہاں پر میں ایک ایسا حوالہ پیش کروں گا جو مفتی نظام الدین صاحب قبلہ رضوی کے لئے شہد نایاب سے کم نہ ہوگا کیونکہ یہ حوالہ بریلی شریف سے نہیں دونگا بلکہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے دونگا اعلیٰ حضرت یا آپ کے خلفاء وتلامذہ سے نہیں دونگا بلکہ فاضل مفتی محمد نظام الدین الرضوی المصباحی کے ایک

قابل فخر لائق اعتماد تلمیذ ارشد حضرت مولانا نفیس احمد المصباحی سے دونگا چنانچہ مولانا نفیس احمد صاحب مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ ہدایہ اولین کے ابتدائیہ میں مولوی عبد الحئ کی حیات وکار نامے کو رقم فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ”**نعم تکلم حول المسائل الفقیهیة العدیدة بشئ من الحریة الزائدة تکلم علی الائمة المجتهدین بل طعن فی بعضها علی الائمة الحنیفة المجتهدین رحمهم الله تعالیٰ و امتقد موقفهم بما لا ینبغی له لانه من المقلدین الذین لم یحتلو ادرجة من درجات الاجتهاد و کذاانزلقت قدمه و تعثر قلمه فی قضایا عدیدة و مسائل علمیة شتی و یتجلی هذه الحقیقة الناصعه علی کل من یطالع کتبه کا لسعایه فی کشف مافی شرح الوقایه و عمدة الرعایه والتعلیق الممجد و مجموعة فتاواه**“یعنی ہاں انہوں نے (مولوی عبد الحئ نے) چند مسائل فقیہہ پر مکمل آزادی کے ساتھ اظہار خیال فرمایا ہے اور ائمہ مجتہدین پر بھی کلام کیا ہے بلکہ بعض مسائل میں مجتہدین ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر طعن و تشنیع بھی کیا ہے اور ان کے موقف پر تنقید کی ہے جو آپ کے شایان شان نہیں کیونکہ آپ ان مقلدین میں سے ہیں جو اجتہاد کے کسی درجہ پر فائز نہیں ہیں یونہی چند فقہی قضیوں اور علمی مسئلوں میں آپ کا قدم ڈگمگا گیا اور قلمی لغزش ہوگئی اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر روشن ہے جس نے آپکی کتب محررہ مثلاً سعایہ مافی کشف شرح الوقایہ ، وعمدۃ الرعایہ و التعلیق الممجد اور مجموعۃ الفتاویٰ کا مطالعہ کیا ہے۔

قارئین عظام! کیا اتنے شواہدات کے باوجود بھی مجموعۃ الفتاویٰ کا حوالہ پیش کرنا ایک فاضل محقق کے شایان شان ہے؟ جبکہ مجموعۃ الفتاویٰ میں ڈھیر ساری غلطیاں ہیں بلکہ زید وعمر سے لیکر غیر مقلدین کے بھی فتاویٰ موجود ہیں۔

یہ بات میں نہیں کہہ رہا ہوں، اعلیٰ حضرت نے کہی ہے اور ایک ایسے محقق یگانہ نے کہی ہے جن کے بارے میں ہمارے علمائے اہلسنت کا اتفاق ہے کہ ان سے تحقیق میں کبھی خطا نہیں ہوئی۔ چنانچہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ مجموعہ فتاویٰ کے ایک فتوی کی تردید میں فرماتے ہیں کہ ”یہ فتویٰ نہیں گمراہ گری ہے اس پر عمل حرام قطعی ہے ان کے مجموعہ فتاویٰ میں ایں وآں وزید وعمر کے فتویٰ بھی بھرے ہیں یہاں تک کہ غیر مقلدوں کے بھی یہ فتویٰ بھی کسی غیر مقلد کا ہوگا۔“ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۷۶۲)

اللہ اللہ! ایک طرف مجلس شرعی پابند ہے کہ فتاویٰ رضویہ کے مطابق ہی اپنے فیصلے صادر کرے اور دوسری طرف اس مجموعہ فتاویٰ کا جنازہ اٹھایا جائے جو فتاویٰ رضویہ کے مزاحم و متصادم ہوں اگر آپ کے اندر احقاق حق وابطال باطل کی ذرا بھی رمق باقی ہوگی تو اس عملی نفاق سے ضرور ثابت ہوں گے اور اظہار حق میں تامل نہیں فرمائیں گے۔ ع

زگوش پنبہ بروں آروداد خلق بدہ
وگر توی ندھی داد روزے دادے ہست

تحقیق طلب جزئیہ

فاضل محقق مفتی نظام الدین صاحب رضوی اسی ماہنامہ جام نور میں فتاویٰ رضویہ کا ایک سبق یاد دلانے کے بعد سجدۂ تعظیمی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سجدۂ تعظیمی کے بارے میں امت کا تقریباً اتفاق ہے کہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے کتاب اللہ سے، سنت رسول اللہ سے اور اقوال علماء سے مزین کرکے اعلیٰ حضرت نے ایک عظیم رسالہ ”**الزبدة الزکیة فی تحریم سجود التحیة**“ لکھا ہے اس میں ثابت کیا ہے کہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔ پھر دو تین سطر کے بعد محقق صاحب نے ایک حیرت انگیز جزئیہ کا انکشاف فرمایا ہے اور وہ بھی سرکار مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ کے حوالہ سے جسکا ماحصل یہ ہیکہ جو لوگ سجدۂ تحیت کو جائز کہتے ہیں ان کو فاسق نہیں کہا جاسکتا جب ایسے مسئلے میں اختلاف کرنے والے کے بارے میں حضور مفتی اعظم ہند فرمارہے ہیں کہ ان کو فاسق نہیں کہا جاسکتا تو جہاں اختلاف کی بو بھی نہ آتی ہو وہاں فاسق، گمراہ جاہل اور اس طرح کے الفاظ شریفانہ کیسے استعمال کئے جاسکتے ہیں (حوالہ مذکور)

فاضل محقق نے سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی طرف جس بات کو منسوب فرمایا ہے میں نے فتاویٰ مصطفویہ میں حتی المقدور تلاش کیا مگر وہ بات نہ ملی البتہ فتاویٰ فیض الرسول و فتاویٰ رضویہ میں

اسکا حکم ملا مگر وہ حکم نہیں جو مفتی نظام الدین نے بیان کیا ہے بلکہ بالکل اس کا برعکس ملا ہے کہ قائلین جواز کو فاسق، گمراہ لکھا گیا ہے بلکہ الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیۃ کی عبارت سے سجدۂ تحیت کے قائلین جواز کا کافر ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ فتاویٰ فیض الرسول میں ہے جو شخص غیر خدا کو سجدہ جائز بتائے وہ گمراہ ہے اس سے مرید ہونا جائز نہیں (ج ۲ ص ۴۹۱) اور دوسری جگہ ہے جس شخص نے سجدۂ فقہی کو قبر کے لئے جائز مانا ہے وہ گمراہ اور فاسق ہے (فیض الرسول ج ۲ ص ۵۹۸) اور فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں ہے وجیز امام حافظ الدین محمد بن محمد کردری جلد ۶ ص ۳۴۳ وبھذا اعلم ان مایفعله الجھلة لطواغیتھم ویسمونه پائگاہ کفر عند بعض المشائخ و کبیرۃ عند الکل فلو اعتقدھا مباحۃ لشیخه فھو کافر ان کان قد اسلم فی عمرہ۔ ''یعنی یہاں سے معلوم ہوا کہ سجدہ کہ جہال اپنے سرکش پیروں کو کرتے اور اسے پائگاہ کہتے ہیں بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے اور گناہ کبیرہ تو بالاجماع ہے پس اگر اسے اپنے پیر کیلئے جائز جانے تو کافر ہے اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کر کے اس پر راضی ہوا تو وہ شیخ نجدی خود بھی کافر ہوا اگر کبھی مسلمان تھا بھی اقول یعنی ایسے متکبر خدا فراموش خود پسند اپنے لئے سجدے کے خواہشمند غالباً شرع سے آزاد بے قید و بند ہوتے ہیں یوں تو آپ ہی کافر ہیں اور اگر کبھی ایسے نہ بھی تھے تو حرام قطعی یقینی اجماعی کو اچھا جان کر اب ہوئے (ص ۲۲۷) لہٰذا ان شواہدات کی روشنی میں مجھے یقین ہو چلا ہے کہ سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کیطرف جو بات منسوب کی گئی ہے بالفرض اگر فتاویٰ مصطفویہ میں موجود بھی ہو تو خطائے کتابت پر محمول کی جائیگی۔

ایک پیغام سنیوں کے نام

مجلس شرعی کے سربراہ حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ الرضوی المصباحی نے چلتی ٹرین میں صحت صلوٰۃ وجواز صلوٰۃ پر جتنے بھی دلائل ارقام فرمائے ہیں بس اس بات کو ثابت کرنے کیلئے، کہ چلتی ٹرین کو نماز کے لئے نہ روکنا اعلیٰ حضرت کے دور میں منع من جھۃ العباد تھا لیکن فی زمانا یہ منع من جھۃ اللہ تعالیٰ ہے اور اس مفروضہ کو ثابت کرنے کیلئے کبھی مفہوم مخالف کا سہارا لیا گیا اور کبھی عرف و تعامل کی بات دہرائی گئی۔ چونکہ ان تمام دلائل کی رکاکت و سقم، نقص و ضعف کو سیف الاسلام، صمصام الاسلام اور راقم الحروف نے مجلس شرعی کا غیر شرعی فیصلہ نامی مضمون میں واضح کر دیا ہے لہٰذا میں انکا اعادہ کر کے آپ کا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہتا صرف تحقیق رضا کے خلاف تحقیق کرنے والوں کا انجام سنیوں کے نام رقم کرنا چاہتا ہوں۔

فیض ملت حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ سے فاضل بریلوی کی تحقیق کے خلاف تحقیق کرنے کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا ''یہ تحقیق کم ہے تخریب زیادہ ہے اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمچو ما دیگر نیست'' کا مرض چمٹ گیا ہے خود کو محقق بلکہ مجتہد تک سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت کی تحقیق پر اپنی غلط تحقیق کو ترجیح دیتے ہیں محدث اعظم پاکستان فرمایا کرتے اور فقیر نے بھی تجربہ کیا جو سنی ہو کر اعلیٰ حضرت کی تحقیق پر اپنے نظریہ کو ترجیح دیتا ہے تو وہ ہزاروں ٹھوکریں کھاتا ہوا گمراہی کی طرف چلا جاتا ہے (ماہنامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی اگست ۲۰۱۳ء)

اب میں اپنی تحریر کو فاضل محقق کے آخری جملوں پر کچھ تصرف کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اپنے بزرگوں، دوستوں، اور بالخصوص فقہاء محققین سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ جماعت اہل سنت کی سالمیت اور وحدت کا خاص خیال رکھیں، کوئی تحقیق یا حکم جاری کرنے سے پہلے تحقیق رضا خوب سمجھ لیں۔ اور بہر حال اگر حق بات آپ نے سمجھ لی ہے تو حق کی اتباع کریں اور نزاع بے جا برپا کرنے سے اپنے کو دور رکھیں اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ فقط والسلام مع الاحترام ۱۲۔

محمد محبوب رضا نوری بدر القادری
خادم الافتاء والتدریس دار العلوم رضائے مصطفےٰ
کھم تالاب بھنڈارہ (مہاراشٹر)
موبائل: 9175839450